مسلمانوں کے حیرت انگیز عروج وزوال کا حقیقی سبب

تاریخ کے نقاد اور محقق علماء اور مفکرین و مصلحینِ اُمت مسلمانوں کے حیرت انگیز عروج اور حیرت انگیز زوال پر شدید حیرت کا شکار ہیں کہ یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ اس کے اسباب تلاش کرتے ہوئے کتبِ تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ اس کی علت معلوم کرنے کے لیے سوچتے ہیں اور سوچتے ہی چلے جاتے ہیں۔ کسی کو کوئی علت معلوم ہوتی ہے اور کسی کو کوئی سبب ہاتھ لگتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک اس کا صرف اور صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے دین حقیقی اور دین مروّج کے درمیان فرق۔ زمانۂ عروج کے مسلمان دین حقیقی کے علمبردار تھے اور دورِ تنزل کے مسلمان دین مروّج کے حامل۔ وہ دین کو اپنائے ہوئے تھے اور یہ دین کا لبادہ اوڑھے ہوئے۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی   کہ تُو گفتار وہ کردار تُو ثابت وہ سیارا

(اقبال)

دین مروّج چند حرکات وسکنات اور الفاظ کا نام ہے۔ اس سے آگے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ یہ دین بہانہ تراش وحیلہ ساز ہوتا ہے۔ مشکل حالات میں ثابت قدم رہنے کے بجائے ان سے پہلوتہی کرتے ہوئے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ (قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ)

۳۰: جنس مخالف کی مشابہت اختیار کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"لعن رسول اللّٰہ المتشبهات بالرجال من النساء والمتشبهين بالنساء من الرجال ."

(سنن ترمذي، رقم الحديث: ٢٧٨٤)

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔''

۳۱: عورتوں کا قبروں کی بہ کثرت زیارت کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"لعن زوارات القبور ." (سنن ترمذي، رقم الحديث: ٢١٥٦)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی بہ کثرت زیارت کرنے والیوں پر لعنت کی ہے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے مطابق عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا اس لیے مکروہ ہے کہ وہ صبر میں کم اور جزع وفزع زیادہ کرنے والی ہوتی ہیں۔

حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٢٧٨)

''ہمیں جنازے کے ساتھ ساتھ جانے سے منع تو کیا گیا ہے لیکن ہم پر سختی نہیں کی گئی۔''

دونوں احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر قبرستان جانے سے عورتوں کا مقصود رضائے الٰہی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ قبرستان جا کر جاہلیت کی رسوم شروع کر دیں تو اوّل الذکر حدیث کے بموجب لعنت کی مستحق ٹھہریں گی۔ واللہ أعلم بالصواب

(عبدالرحیم بلتستانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ
سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان
ہفت روزہ

الاعتصام
لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

13 جمادی الاولیٰ 1433ھ جمعة المبارک 06 تا 12 اپریل 2012ء

شمارہ 14 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12
E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال
		60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

طویلے کی بلا......

حافظ احمد شاکر

ہماری عدلیہ یا عدالت عظمیٰ بعض اہم معاملات جن پر واقعہ کی اہمیت کے مطابق ایکشن نہ لیا جائے، یہ ازخود نوٹس......Somme notice......لیتی یا پوچھ گچھ کرتی ہے جس......نوٹس......کے نتائج عمومات بہت مثبت، مفید اور حصولِ انصاف کا باعث بن جاتے ہیں، اگرچہ ہم جیسے قانون سے لاعلم، انصاف کے تقاضوں سے بے خبر اور انصاف تک پہنچنے والے پل صراط سے بے بہرہ جذباتی لوگ فیصلوں کے اعلان اور پھر عمل درآمد میں تاخیر پر سوچتے رہتے ہیں لیکن عدالتی فیصلے عموماً ''دیر آید درست آید'' کا مظہر ہوتے ہیں۔

احترامات فائقہ کے ساتھ عرض ہے کہ چند سوالات ذہن میں ابھر رہے ہیں جن کے اطمینان بخش جوابات کی ہم پر خلوص خواہش رکھتے ہیں۔

- وطن عزیز اس وقت توانائی کے جس بحران سے دوچار ہے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ان حالات میں، جب اس بحران سے بے روزگاری اور معیشت کی زبوں حالی فزوں تر ہو، اغیار کی نقالی میں قومی ایام (۲۳/مارچ، ۱۴/اگست وغیرہ) پر حکومت جو چراغاں کرتی ہے یہ خوشی، مسرت اور شادمانی کا اظہار تو بے شک ہے اور ہونا بھی چاہیے لیکن کیا آئین پاکستان میں اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے؟ اگر یہ آئین کا حصہ نہیں ہے تو کیا توانائی کی بحالی تک اس کو ملتوی نہیں کیا جاسکتا؟ اگر ملتوی کرنا ممکن نہ ہو تو پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ ان مواقع پر خرچ ہونے والی توانائی کا بل حکومت ادا کرتی ہے؟ یا اس ''قومی خرچ'' کو علاقہ کے غریب عوام پر جبراً ڈال دیا جاتا ہے؟
- اسلام نے خوشی و مسرت کے مذہبی ایام صرف عید الفطر و عید الاضحیٰ طے کیے ہیں اور ان دونوں کا تعلق عبادت سے ہے۔ جنھیں اس عبادت کی توفیق کی شکر گزاری کا دن قرار دیا گیا ہے۔ ان مبارک ایام میں لائٹنگ کو اگر حکماً روک یا معطل کر دیا جائے تو شرعاً اس کی قباحت ہمارے علم میں تو نہیں تاہم علماء کرام سے فتویٰ لیا جاسکتا ہے۔ اگر فتویٰ ہی لینا ہے تو پھر عید میلاد النبی ﷺ، معراج شریف اور شب برأت پر روشنیاں جلانے کا استفسار بھی کر لیا جائے کہ قرآن وحدیث کے دلائل کی رو سے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ان ایام کے بارے تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کیا تھا؟
- اسی طرح بعض قبروں کے عرسوں پر دیگر بے ہودگیوں کے علاوہ جو بے محابا چراغاں کیا جاتا ہے اس چراغاں سے بزرگوں کو فائدہ ہوتا ہے یا تبلیغ اسلام کا فائدہ؟ نیز اس کے بلوں کی ادائیگی حکومت کرتی ہے؟ مزاروں کی انتظامیہ کرتی ہے؟ یا ان قبروں کے نیاز مند ادا کرتے ہیں؟ یا اس کو بھی علاقہ کے غریب عوام پر ٹھونس کر نان جویں کے محتاج عوام سے جبراً وصول کیا جاتا ہے؟
- سرکاری افسران کی ذاتی تقریبات پر صرف ہونے والی بجلی کے بل کیا وہ افسر ادا کرتے ہیں یا وہ لائن لائسنز کے نام پر عوام کے سر ڈال دیے جاتے ہیں۔
- سیاسی لیڈران اپنی ذاتی نمود و نمائش اور ووٹ بینک کی خاطر روشنیوں کا جو اہتمام کرتے ہیں ان کے بارے میں مذکورہ بالا سوالات ہی ہیں کہ کیا ان کی ادائیگی یہ لیڈر حضرات کرتے ہیں یا اس کے لیے بھی عوام کی گردن ہی دبوچی جاتی ہے؟
- وفاقی اور صوبائی اداروں کی طرف بجلی کے اربوں کے جو واجبات ہیں کیا کوئی قانون یا اتھارٹی وہ وصول کر سکتی ہے؟ کیونکہ ان وصولیوں سے شاید بجلی کی قیمت میں ماہانہ اضافوں سے جان چھوٹ جائے۔

علمی تسکین کی خاطر یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ اس قسم کے چراغاں کو کیا صرف اسراف ہی میں شامل کیا جائے یا اس سے آگے کچھ اور بھی کہا جاسکتا ہے؟ اسراف کا معنی تو 'ضرورت سے زائد خرچ کرنا، کیا جاتا ہے اور اس سے اگلا مرحلہ بلاضرورت کا آتا ہے اور بجلی چوری ان سب کے سوا......؟

اخبارات میں ہمدردان ملک وملت کے نیٹو سپلائی کے خلاف شعلہ اگلتے بیانات کی ٹون یا ردھم تبدیل ہونی شروع ہوگئی ہے کہ پارلیمنٹ کی بالادستی کا لبادہ اوڑھے ہوئی ڈھول یہ پیٹا جارہا ہے کہ اب جو فیصلہ پارلیمنٹ دے گی حکومت وہی فیصلہ دے گی۔ ''طویلے کی بلا بندر کے سر'' شاید اسی موقعہ پر بولا جاتا ہے یاد رہے کہ ۱۹ویں یا ۲۰ویں ترمیم میں یہ صراحت کی جاچکی ہے کہ اسمبلیوں کے ممبران جس جماعت کے ٹکٹ پر کامیاب ہوں گے وہ اسی سیاسی جماعت کی پالیسی کے قانوناً پابند ہوں گے اور اگر کسی ممبر اسمبلی نے اپنی پارٹی موقف کی مخالفت کی تو پارٹی اس کی اسمبلی رکنیت ختم کرنے کی مجاز ہوگی۔ جس کی بہت سی مثالیں حال ہی میں سامنے آئی ہیں۔ اب بتائیے وہ کون سا ممبر اسمبلی ہے یا کس ممبر کی مت ماری ہوئی ہے کہ اسمبلی کی رکنیت پر لاکھوں کی سرمایہ کاری کرکے اب وہ بھلامانس ملک وملت کے مفادات پر ذاتی مفادات قربان کرے؟ جس کا یہ نتیجہ نکلنا بدیہی ہے کہ کوئی رکن اسمبلی اپنی پارٹی پالیسی کے خلاف ووٹ نہیں دے گا۔ اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں حزب اقتدار ہوتی ہے یا حزب اختلاف! اور چار سال سے ہماری حزب اختلاف فرینڈلی اپوزیشن کا ایسا کردار ادا کررہی ہے کہ شاید وطن عزیز کی جمہوری تاریخ اس کی مثال پیش نہ کرسکے، جس کا اشارہ ان صفحات پر روزنامہ ایکسپریس کے (۱۳/مارچ) کے حوالے سے شائع ہوچکا ہے جس میں چار کے ٹولے کی مشاورت کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ ؎ ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

کہ یہ سارے سیاستدان مغربی عشوہ طراز کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں ان کے خیال میں اس کی چشم ابرو کی حرکت ہی سے حجلۂ اقتدار کا پروانہ راہداری ملتا ہے۔ اخبارات سے مترشح بھی ہورہا ہے، اور سیاستدانوں کے خیالات کا آہنگ اور سب کچھ کی پارلیمنٹ کو سپردگی اس بات کی غماز ہے کہ یہ احتجاج، نعرے اور سیاست بھبکیاں عوام کو کالانعام سمجھنے کا عملی اظہار ہے۔ مفادات کے اس میلے میں بے چاری دفاع پاکستان کونسل کے چکی راہ کی کون سنے گا۔ ہمیں تو سیاستدانوں کے ان تیوروں سے یہ خوف بھی آنے لگا ہے کہ نیٹو سپلائی بند ہوجانے اور امریکیوں کی سرگرمیاں نسبتاً محدود ہونے سے وطن عزیز میں جو چند دن امن وآشتی کے گزرے ہیں کہ وطن عزیز بم دھماکوں اور خودکش بمباروں کی کارروائیوں سے محفوظ رہا وہ دن پھر نہ کہیں لوٹ آئیں کہ امریکی خود ہی طالبان ہیں اور خود ہی محتسب، کہ ابھی سے طالبان کے نام سے بیان آنے شروع ہوگئے ہیں اگر سپلائی بحال ہوئی تو پھر ہم وہی کچھ کریں گے جواب تک کرتے رہے ہیں۔

طالبان کو کس نے دیکھا ہے۔ ان کی ویب سائٹس کون سی یقینی ہیں، اسامہ کیا تھا؟ وہ تھا بھی یا ایک ہیولیٰ تھا؟ ان سوالوں کے جواب کون یقین سے دے سکتا ہے، ہم تو اسی میڈیا پر یقین کرنے پر مجبور ہیں جس کی ہر خبر ہمیں براستہ امریکہ ملتی ہے۔

حکومت اپنی شاہ خرچیاں تو بند نہیں کرتی لیکن ہر مہینے بعد ایندھن، یعنی پٹرول، تیل مٹی، ڈیزل اور ہر دوسرے مہینے بجلی کے چارجز میں اضافے کو اس نے وطیرہ بنالیا ہے۔ بجلی، گیس اور پانی کے بلوں میں مختلف ٹیکسز ان پر مستزاد۔ ایک ٹیکس کو عدالت جس وقت کالعدم قرار دیتی ہے اس وقت اکثریت بلز جمع کراچکی ہوتی ہے جس کی واپس شیر کے مونہہ سے شکار چھیننے کے مترادف ہوتی ہے واپڈا اہلکاروں سے عوام کے جھگڑے الگ، وقت کا ضیاع الگ۔ اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا بھر میں تیل کی قیمتیں روبہ تنزل ہیں جب کہ ہمارے ہاں ان کا گراف اونچا کیا جارہا ہے۔ حکومت اپنے ظلم وتعدی کے جواز کی خاطر اربوں روپے اشتہارات پر تو خرچ کرتی ہے لیکن چند روپوں کی عوام کو سہولت نہیں دیتی ۳۱ مارچ کو فرینڈلی اپوزیشن نے اپنے ووٹ بنک کی خاطر لوڈشیڈنگ پر ''بھرپور احتجاج'' کیا اور یکم اپریل کو حکومت نے تیل کی قیمتیں بھی بڑھادیں اور لوڈشیڈنگ جوں کی توں ہی رہیں۔ اور استادی یہ کی کہ ساتھ ہی یہ اشتہار بھی دیدیا کہ دنیا کے کئی ممالک سے ہمارے تیل کی قیمتیں کم ہیں اور کمال مہارت کے ساتھ یہ قیمتی مشورہ دیا کہ عوام پٹرول کا استعمال کم کریں اور دوسری طرف بینک عوام کو لیز کے نام پر سودی گاڑیاں دینے کی ''فراخ دلانہ'' پیش کشیں بھی کررہے ہیں۔ کوریا، جاپان، پاکستان کو قرض حسنہ کے طور پر جو بسیں کاریں، ٹرک دے رہیں اور قرض ہی کی صورت میں سڑکوں کے جو جال بچھائے جارہے ہیں وہ تیل کی کھپت بڑھانے ہی کے تو طریقے ہیں۔ اور ہمارے حکمرانوں کا اخلاص دیکھئے کہ وہ اپنے عوام کو کس سادہ دلی سے پٹرول کم استعمال کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ یاللعجب ؎ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

درس قرآن

قسط نمبر ۱۷

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿واضرب لهم﴾ ''ضرب'' کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنا ہے۔ اور اس کا استعمال مختلف اعتبارات سے بہت سے معانی میں ہوتا ہے۔ مارنے کے معنی میں تو معروف ہے، اس کے علاوہ ''ضرب الارض بالمطر'' کے معنی بارش برسنے کے ہیں کہ وہ بھی اوپر سے زمین پر ٹپکتی ہے۔ اسی طرح ''ضرب الدراهم'' کا محاورہ ہے، یعنی دراہم ڈھالنا۔ ٹکسال کے سکہ میں اثر کرنے کی مناسبت سے اس مفہوم میں یہ محاورہ ہے۔ ''ضرب في الأرض'' کے معنی سفر کرنے کے ہیں کیونکہ پیدل چلتے ہوئے انسان پاؤں زمین پر مارتا ہے، قرآنِ مجید میں ہے:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ [النساء: ۱۰۱]

''اور جب تم زمین میں سفر کرو۔''

اور اس مفہوم میں عموماً ضرب کا استعمال ''في'' کے ساتھ ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ [البقرة: ٦٠]

اس کے معنی ہیں:

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا: اپنی لاٹھی اس پتھر پر مار۔''

مگر سر سیّد اس کے معنی کرتے ہیں: لاٹھی کے سہارے (چشمے والے) پتھر کی طرف چلو۔ اسی قسم کا مفہوم غلام احمد پرویز نے بیان کیا ہے۔ معجزات سے انکار ان کی مجبوری ہے۔ اسی تناظر میں یہ ''خدمت'' سرانجام دی جارہی ہے۔ قرآنِ مجید میں ''ضرب'' کا استعمال جب ''في'' سے ہوا ہے تو اس کے معنی چلنے کے آئے ہیں جیسا کہ اوپر سورۃ النساء (۱۰۱) کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ مزید مثالوں کے لیے دیکھیے: النساء:۹۴، المائدۃ:۱۰۶، المزمل: ۲۰، آلِ عمران: ۱۵۶۔

اسی طرح ایک محاورہ ''ضرب الخيمة'' ہے کیونکہ خیمہ لگانے کے لیے میخوں کو زمین میں ہتھوڑے سے ٹھونکا جاتا ہے۔ ''ضرب اللبن'' یعنی اینٹیں چننا۔ ایک اینٹ کو دوسری پر رکھنا۔ ''ضرب مثل یا مثال کے معنی و محاورہ میں ''ضرب الدراهم'' سے ماخوذ ہے کہ کسی بات کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسری بات کی وضاحت ہوجائے۔ یہاں ''ضرب'' بھی اسی مثال کے معنی میں آیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ''مفردات'' ملاحظہ فرمائیں۔ ﴿هم﴾ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں کہ ان کے لیے یہ مثال بیان کیجیے۔

﴿إذ جاء ها المرسلون﴾ ''جب ان میں بھیجے ہوئے آئے۔'' اشارہ ہے کہ ان کا آنا اپنی مرضی سے نہیں تھا، انھیں اسی نے بھیجا ہے جس نے انھیں رسول بنایا۔ اشارہ ہے کہ جس طرح ہم نے اس بستی والوں کے پاس انھیں بھیجا اسی طرح آپ ﷺ کو بھی اس بستی والوں کی طرف ہم نے بھیجا ہے۔

﴿اذا ارسلنا اليهم﴾ ان بستی والوں کی طرف اللہ نے دو رسول بھیجے مگر انھوں نے ان دونوں کی تکذیب کی اور ان کی دعوت ماننے سے انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقویت وتائید کے لیے تیسرا رسول بھیجا، انھوں نے انھیں سمجھایا کہ ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ گویا تیسرے آنے والے نے بھی انھیں باور کروایا کہ ہم مرسلین

سے ہیں۔امام رازی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”فعززناھما“ نہیں کہا کہ مقصود ان دونوں کی تقویت نہیں بلکہ حق کی نصرت ہے، اس لیے صرف ”عززنا“ ہی کہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ﴾ [القصص: ۳۵]

”ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو ضرور مضبوط کریں گے۔“

یہاں مفعول کا ذکر ہے مگر سورۂ یٰس کی مندرجہ بالا آیت میں صرف ”فعززنا“ فرمایا ہے مفعول کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ وہاں بھی تو نصرت حق ہی مطلوب تھا۔ یہ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون سے افضل تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے انھیں اپنی تائید کے لیے رسول بنانے کی تمنا کی تھی:

﴿وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ [القص: ۳۴]

”اور میرا بھائی ہارون وہ زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تُو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ وہ میری تصدیق کرے، بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔“

مگر اس آیت یٰس میں وہ دونوں رسول مستقل ناطق بالحق تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ان کی تائید و تقویت مطلوب تھی اور یہاں حق کی تقویت مراد ہے، اس لیے ”فعززنا“ کا مفعول یہاں بیان نہیں ہوا۔ (التفسیر الکبیر)

﴿فعززنا بثالث﴾ یہ تیسرے رسول کون تھے؟ بعض تفسیری روایات میں، جیسا کہ اوپر ہم نے نقل کیا، ان کا نام ”شلوم“ آیا ہے۔ مگر یہ روایات درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں:

”اس سے وہ مومن آل فرعون مراد ہے جس کی جانبازیوں کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت میں ہوا ہے۔“

اس مومن آل فرعون کی جانبازیوں کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد بالآخر یہ بھی فرمایا ہے:

”یہ اس معنی میں رسول نہیں تھے جس معنی میں حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام رسول تھے لیکن ان کے سب سے زیادہ طاقتور، جانثار اور راست باز ساتھی تھے۔“

مگر ان کا یہ خیال بھی درست نہیں، محض زور بیان اور الفاظ کے زیر و بم سے کوئی حقیقت ثابت نہیں ہوتی۔ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صاف لفظوں میں ان تینوں کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے کہا: ﴿اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ﴾ ”بے شک ہم تمھاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔“ اور مخاطبین کی تکذیب پر بھی انھوں نے فرمایا: ﴿اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ ”یقیناً ہم تمھاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔“ جبکہ مومن آل فرعون کا قرآن میں جہاں جہاں ذکر آیا ہے کسی ایک مقام پر اشارتاً بھی اس کے رسول ہونے کا ذکر نہیں ہوا۔ بلکہ بطور نکرہ ”جاء رجل“ یعنی ایک آدمی کا ذکر ہوا ہے۔ مگر یہاں تو پہلے دو رسولوں کی دعوت کی تائید وتقویت کے لیے تیسرے رسول کا ذکر ہے اور ان تینوں رسولوں کی حیثیت، جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح بالتبع رسول ہونے کی نہیں تھی بلکہ مستقل ناطق بالحق ہونے کی تھی۔ قرآن پاک تو بالصراحت ان کے رسول ہونے کا اعلان کرتا ہے مگر مولانا اصلاحی کا فہم یہ ہے:

”ان کا ذکر یہاں ایک رسول کی حیثیت سے نہیں بلکہ رسولوں کے ایک خاص مددگار کی حیثیت سے ہوا ہے۔“

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے۔ اس تیسرے رسول کو جو مومن آل فرعون باور کرایا گیا اس کی تردید آئندہ آیت نمبر (۲۰) سے بھی ہو رہی ہے جس میں مومن آل فرعون ہی کی طرح ”رجل“ کے آنے کا ذکر ہے وہ ان ”رسولوں“ کی تابعداری کا کہتا ہے۔ اس کا کردار مومن آل فرعون کا کردار ہے نہ یہ کہ تیسرے رسول کو ہی مومن آل فرعون قرار دے دیا جائے۔

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کروال شالامار باغ۔لاہور)

باب: الاحتباء

پیٹھ اور پنڈلیاں باندھ کر بیٹھنا

١٢١٧ . عن سليم بن جابر الهجيمي قال: أتيت النبي ﷺ وهو محتب في بردة وإن هدابها لعلى قدميه . فقلت: يا رسول الله! أوصني قال: ((عليك باتقاء الله ، ولا تحقرن من المعروف شيئا ، ولو أن تفرغ للمستقي من دلوك في إنائه ، أو تكلم أخاك ووجهك منبسط ، وإياك وإسبال الإزار فإنها من المخيلة ، ولا يحبها الله ، وإن امرؤ عيرك بشيء يعلمه منك فلا تعيره بشيء تعلمه منه ، دعه يكون وباله عليه وأجره لك ، ولا تسبن شيئا .)) قال: فما سببت بعد دابة ولا إنسانا .

"حضرت سلیم بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ایک چادر کے ساتھ "احتباء" کیا ہوا تھا اور اس کے دونوں پلو آپ ﷺ کے دونوں قدموں پر تھے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی وصیت فرمایئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ سے ڈرتے رہو اور کسی چھوٹی سی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ تُو پانی طلب کرنے والے کے ڈول میں اپنے ڈول سے کچھ پانی ڈال دے یا تُو اپنے بھائی سے کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ خوشی خوشی بات کرے۔ چادر کو ٹخنے کے نیچے لٹکانے سے بچ کیونکہ یہ تکبر میں شمار ہوتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اگر کوئی آدمی تجھ کو ایسی چیز کی عار دلائے جس کو وہ جانتا ہے تُو تم اس کو ایسی چیز کی عار نہ دلاؤ جو تو اس کے متعلق جانتا ہے کیونکہ اس کے کیے کا وبال اسی پر ہوگا اور تمھیں صبر کرنے کا اجر ملے گا۔ اور کسی کو گالی نہ دو۔" سلیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی انسان تو درکنار چارپائے کو بھی گالی نہیں دی۔"

١٢١٨ . عن أبي هريرة قال: ما رأيت حسنا قط إلا فاضت عيناي دموعا ، وذلك أن النبي ﷺ خرج يوما فوجدني في المسجد فأخذ بيدي فانطلقت معه ، فما كلمني حتى جئنا سوق بني قينقاع فطاف فيه ونظر ثم انصرف وأنا معه حتى جئنا المسجد فجلس فاحتبى ثم قال: ((أين لكاع؟ ادع لي لكاع)) ، فجاء حسن يشتد فوقع في حجره ، ثم أدخل يده في لحيته ، ثم جعل النبي ﷺ يفتح فاه فيدخل فاه في فمه ، ثم قال: ((اللهم إني أحبه فأحبه وأحب من يحبه .))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے جب بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ دیکھا میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے، مجھے مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا، میرا ہاتھ پکڑا، میں

آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا لیکن آپ ﷺ نے مجھ سے کوئی بات نہ کی یہاں تک کہ ہم بازار بنی قینقاع میں آئے۔ آپ ﷺ وہاں اِدھر اُدھر گھومے پھرے دیکھتے پھرے، پھر واپس ہوئے، میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا یہاں تک کہ ہم مسجد میں آ گئے۔ آپ ﷺ چادر کے ساتھ ''احتباء'' کر کے بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ''لکاع (چھوٹا بچہ) کہاں ہے؟'' دو دفعہ فرمایا۔ اتنے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے، آپ کی گود میں بیٹھ گئے، پھر اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک میں ڈالا۔ آپ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا اور فرمایا: ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تُو بھی اس سے محبت کر، اس کو اپنا محبوب بنا لے اور اس سے محبت کرنے والوں کو بھی محبوب بنا لے۔''

فائدہ: یہ ایک نوید فرحت جاوید ہے دست بردار اہل بیت کے حق میں کہ محبّ حسن وحسین ان شاء اللہ ہمراہ حسنین کے جنت عدن میں ہوگا بحکم حدیث ((المرء مع من أحب)) ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہوگی۔'' دوسری حدیث: ((أنت مع من أحببت)) ''تیرا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تُو محبت رکھتا ہوگا۔'' اہل سنت وجماعت کو اس محبت سے کافی حصہ حاصل ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ خوارج وروافض اس نعمت سے محروم ہیں اگرچہ روافض اپنے زعم میں دعویٰ حب اہل بیت کا رکھتے ہیں۔

باب: من برك على ركبتيه
گھٹنوں کے بل بیٹھنا

١٢١٩ . عن أنس بن مالك، أن النبي ﷺ صلى بهم الظهر، فلما سلم قام على المنبر، فذكر الساعة، وذكر أن فيها أمورا عظاما، ثم قال: ((من أحب أن يسأل عن شيء فليسأل عنه، فوالله لا تسألوني عن شيء إلا أخبرتكم ما دمت في مقامي هذا)) قال أنس: فأكثر الناس البكاء حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ، وأكثر رسول الله ﷺ أن يقول: ((سلوا)) فبرك عمر على ركبتيه وقال: رضينا بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد رسولا، فسكت رسول الله ﷺ حين قال ذلك عمر، ثم قال رسول الله ﷺ: ((أولى، أما والذي نفس محمد بيده، لقد عرضت علي الجنة والنار في عُرض هذا الحائط - وأنا أصلي - فلم أر كاليوم في الخير والشر.))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہو کر قیامت کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن میں بڑے بڑے عظیم واقعات پیش آئیں گے۔ جس کسی کو کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھنا ہو اس کو چاہیے پوچھ لے۔ اللہ کی قسم، جب تک میں اس جگہ پر ہوں تم مجھ سے جس چیز کے متعلق پوچھو گے میں تمھیں بتاؤں گا۔ حضرت انس نے فرمایا: جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی تو بہت زیادہ رونا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ برابر فرماتے رہے: ''لوگو! مجھ سے پوچھ لو۔'' اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا: ہم راضی ہوئے اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو رسول مان کر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات کی تو رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جن آنے والے واقعات کی میں نے تم کو خبر دی ہے ان کا وقت قریب ہے۔ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! مجھ پر جنت ودوزخ اس دیوار کی جانب پیش کیے گئے جس کی جانب میں نماز پڑھ رہا تھا میں نے آج کی طرح جنت میں خیر اور دوزخ میں شر کو کبھی نہیں دیکھا۔''

افتاء

تعویذات ......علماء کی عدالت میں چند سوالات

سائل: مدثر محمود، صدر بازار، لاہور کینٹ۔ مجیب: مولانا مفتی محمد عبیداللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

سوال: کیا قرآنی تعویذ کرنا اور بطور کاروبار اس پر اجرت حاصل کرنا درست ہے؟

جواب: قرآن وحدیث کی آیات اور کلمات احادیث صحیحہ پر مبنی تعویذات لکھنے کی گنجائش ہے۔ سلف صالحین میں سے بعض اس کے جواز کے قائل چلے آرہے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم، حضرت باقر اور امام احمد بن حنبل، والا جاہ نواب صدیق حسن خان، مصلح پنجاب حافظ محمد لکھوی، حافظ عبداللہ روپڑی، بیہقی زماں اور محدث دوراں حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم اکابر علماء قرآن وحدیث پر مشتمل تعویذات کے جواز کے قائل بلکہ لکھتے چلے آرہے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتح المجید شرح کتاب التوحید، ص:۱۳۲ وحاشیہ جلالین۔ بہرحال مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اکثر سلف عدمِ جواز کو ترجیح دیتے ہیں تاہم جواز اپنی جگہ قائم ہے، اس کو شرک کے کھاتے میں ڈال دینا ہرگز صحیح نہیں۔ رہا تعویذ نویسی کو بطور پیشہ اختیار کرنا تو یہ قطعاً جائز نہیں، اس سے گریز لازم ہے۔ ہاں، اگر تعویذ لینے والا بغیر کسی مطالبے کے دے دے تو وہ حرام نہ ہوگا۔

سوال: کمزور عقیدہ خواتین وحضرات جو تعویذ پر اعتقاد کرتے ہوں، ان کے لیے تعویذ کرنا جائز ہے؟

جواب: ایسا عقیدہ رکھنے والی خواتین اور حضرات کو تعویذ دینا جائز نہیں جو تعویذ کو بالذات مؤثر سمجھتے ہوں کیونکہ مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات والا صفات ہے۔

سوال: عورتوں سے خلوت اختیار کرنا اور تعویذ فراہم کرنا کیسا ہے؟

جواب: غیر محرم کے ساتھ خلوت ہرگز جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ احادیث یہ ہیں:

١۔ ((إیاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الأنصار یا رسول اللهﷺ! أفرأیت الحمو؟ قال: ((الحمو الموت.)) (صحیح بخاری مع فتح الباری: ۹/ ۴۱۴، صحیح مسلم: ۲/ ۲۷۸)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غیر محرم عورتوں کے پاس داخل ہونے سے بچو۔'' ایک انصاری آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دیور یا جیٹھ کے متعلق بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دیور یا جیٹھ موت ہے۔''

اس حدیث کی شرح میں امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والمعنی أن خلوة الرجل بامرأة أخیه أو ابن أخیه تنزل منزلة الموت، والعرب تصف الشيء المکروه بالموت.))

(فتح الباری: ۹/ ۴۸۵)

''اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی کا اپنے بھائی یا بھتیجے کے بیوی سے خلوت موت کے مقام پر اترتی ہے، اور عرب مکروہ چیز کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔''

"وقال ابن الأعرابي: هي کلمة تقولها العرب کما تقول: "الأسد الموت" أي لقاء ه فیه الموت، والمعنی: أحذروه کما تحذرون الموت.)) (فتح الباری: ۹/ ۴۱۵)

''یہ ایسا کلمہ ہے جسے عرب اس طرح استعمال کرتے ہیں جیسے وہ یہ کہتے ہیں: شیر موت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی ملاقات میں موت ہے۔ اس صورت میں

(حدیث کا) مفہوم یہ ٹھہرے گا کہ اس (دیور) سے اس طرح ڈرو جیسے تم موت سے ڈرتے ہو۔''

٢۔ عن ابن عباس رضي الله عنه عن النبيﷺ قال: ((لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم .)) فقام رجل، فقال يا رسول الله! امرأتي خرجت حاجة واكتتبت في غزوة كذا وكذا قال: ((ارجع فحج مع امرأتك .))

(فتح الباري: ٩/٤١٣)

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے۔'' ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی حج پر جا رہی ہے اور میرا نام فلاں فلاں غزوے کے غازیوں میں لکھا جا چکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''واپس پلٹ جاؤ، اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔''

٣۔ إن عمر بن الخطاب قام بالجابية خطيبا فقال: إن رسول الله ﷺ قام فينا كقيامي فيكم فقال: ((أكرموا أصحابي، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب حتى أن الرجل ليحلف ولا يستحلف ويشهد ولا يستشهد ألا! فمن سره بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة، فإن الشيطان مع الفذ وهو من الإثنين أبعد ولا يخلون رجل بامرأة فإن الشيطان ثالثهم، ومن سرته حسنة وسائته سيئة فهو مؤمن .)) وقال الترمذي: حسن صحيح .

حضرت عمر فاروق جابیہ مقام پر خطبے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا: بیشک رسول اللہ ﷺ اس طرح کھڑے ہوئے جیسے میں کھڑا ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کی عزت کرو، پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں، پھر ان لوگوں کی جو ان کے قریب ہوں، پھر جھوٹ ظاہر ہوگا یہاں تک کہ آدمی بلا کسی مطالبے کے حلف اٹھائے گا اور وہ گواہی دے گا جبکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ خبردار! جس کو جنت کا وسطی حصہ پسند ہو وہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہے، یقیناً اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہے اور وہ دو آدمیوں سے بہت دور ہے۔ اور ہرگز کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے، بے شک شیطان ان کا تیسرا ہوتا ہے۔ جس آدمی کو اس کی نیکی خوش کرے اور برائی بری لگے وہ مومن ہے۔''

ان احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے معلوم ہوا کہ غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت ہرگز جائز نہیں اور ایسی حرکت کرنے والا شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔ اسے اپنی اس حرکت سے باز آ جانا چاہیے۔ واللہ الہادی

سوال: گھر کے افراد میں تفرقہ ڈالنے کے لیے تعویذ کرنا یا ان کو یہ بات کہنا کہ تم پر فلاں نے جادو کیا ہے جس سے گھروں میں فساد برپا ہو جائے اور میاں بیوی کے درمیان جدائی تک نوبت چلی جائے، ایسے عمل اور کرنے والے کے متعلق حکم واضح کریں۔

جواب: میاں بیوی اور گھر کے افراد میں باہم نفرت ڈالنے کے لیے تعویذ بنانا بلاوجہ جادو کا شبہ ڈالنا نہ صرف غیر شرعی فعل اور کبیرہ گناہ ہے بلکہ شیطان کی نمائندگی کرنا ہے جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے:

عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: ((إن إبليس يضع عرشه على المآء ثم يبعث سراياه يفتنون الناس، فأدناهم منه منزلة أعظمهم فتنة، يجيء أحدهم فيقول: فعلت كذا وكذا فيقول: ما صنعت شيئا، قال: ثم يجيء أحدهم فيقول: ما تركته حتى فرقت بينه وبين امرأته، قال: فيدنيه منه ويقول: نعم، أنت .))

قال الأعمش: أراه قال: ((فيلتزمه .))

(رواه مسلم، مشكوٰة: ١/ ١٨)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور لوگوں کو بہکانے کے لیے اور فتنے میں ڈالنے کے لیے اپنے لشکر بھیجتا ہے، پس اس کے لشکریوں میں سے وہ لشکری اس کا زیادہ مقرب ہوتا ہے جو کسی بڑے فتنے کا موجد ہوتا ہے۔ ایک لشکری کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے تو ابلیس اس کو کہتا ہے کہ تجھ سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ ایک دوسرا کہتا ہے کہ میں آج ایک جوڑے میں تفریق ڈال کر آیا ہوں تو ابلیس اس کو اپنے قریب کر کے اس سے بغل گیر ہوتا ہے اور شاباش دیتا ہے کہ تو نے بہت بڑا معرکہ مارا ہے۔''

پس اس حدیث کے مطابق اس شیطان صفت انسان کو ایسے تعویذ دینے سے باز آ جانا چاہیے، ورنہ عذابِ الٰہی کے لیے تیار رہے۔ والله الهادي وهو الموفق .

سوال: اگر ایسے اعمال وتعویذ کرنے والے امام سے بیشتر مستقل نمازی متنفر ہوں تو اس کے متعلق قرآن وحدیث میں کیا حکم ہے؟

جواب: ایسا آدمی امامت جیسے اعلیٰ منصب کے ہرگز لائق نہیں کیونکہ ایسے امام کی اپنی نماز بھی مقبول نہیں۔ یہ امام ان تین آدمیوں کا تیسرا ہے جن کی نماز قبول نہیں ہوتی، حدیث میں ہے:

١- عن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: ((ثلاثة لا تجاوز صلاتهم اٰذانهم: العبد الاٰبق حتى يرجع ، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط ، وإمام قوم وهم له كارهون .)) (رواه الترمذي وقال: هذا حديث غريب، مشكوة: ١/ ١٠٠)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمیوں کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی یعنی قبول نہیں ہوتی: ایک وہ غلام جو چوری بھاگ جائے جب تک واپس نہ پلٹے، دوسری وہ عورت جس پر اس کا خاوند رات بھر ناراض رہے اور تیسرا وہ امام جس کے مقتدی اس کی امامت کو ناپسند کرتے ہوں۔''

٢- عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: ((ثلاثة لا تقبل منهم صلاتهم: من تقدم قوما وهم له كارهون ، ورجل أتى الصلاة دبارا والدبار: أن يأتيها بعد أن تفوته ، ورجل اعتبد محررة .)) (رواه ابوداود وابن ماجه، مشكوة: ١/ ١٠٠)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی: ایک وہ جو کسی قوم کی امامت کے لیے آگے کھڑا ہو جائے اور وہ نمازی اس کو ناپسند کرتے ہوں، دوسرا وہ آدمی جو بعد از وقت نماز پڑھتا ہے اور تیسرا وہ آدمی ہے جو کسی آزاد جان (مرد یا عورت) کو غلام بنا لے۔''

٣- عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ((ثلاثة لا ترفع لهم صلاتهم فوق رؤوسهم شبرا: رجل أم قوما وهم له كارهون ، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط ، وأخوان متصارمان .)) (رواه ابن ماجه، مشكوٰة، ص: ١٠٠)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمیوں کی نماز ایک بالشت برابر بھی ان کے سروں سے اوپر نہیں اٹھائی جاتی: ایک وہ امام کہ نمازی اس کو پسند نہ کرتے ہوں، دوسری وہ عورت جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور تیسرے وہ دو بھائی جن کا آپس میں بائیکاٹ ہو۔''

ان احادیث کے مطابق ایسے امام کو از خود امامت کے منصب سے الگ ہو جانا چاہیے یا پھر اس کی معزولی میں جماعت میں تفرقہ بازی کا خطرہ نہ ہو تو انتظامیہ اس کو امامت سے معزول کر دے، ورنہ مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے اور کراہت کی وجہ سے شرعی کمزوری

ہونی چاہیے، دنیوی خامی شرعاً معتبر نہیں۔ هذا ما عندي والله تعالیٰ اعلم بالصواب .

سوال: کسی مرد کا کہنا کہ میں نوری علم جانتا ہوں اور اس کے ذریعے چوری کرنے والے کا سراغ لگا لیتا ہوں، یہ دعویٰ کیسا ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے یا ناممکن اور کیا یہ منکر قرآن غیبی علم کا دعویٰ تو نہیں؟

جواب: غیب دانی کا دعویٰ شرک ہے اور اس کا مدعی منکرِ قرآن ہے جیسا کہ متعدد آیات میں غیر اللہ سے غیب دانی کی نفی کی گئی ہے، جیسا کہ سورۂ نمل میں بالعموم غیب دانی کی نفی کی گئی ہے:

۱۔ ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۝﴾ [النمل: ٦٥]

”کہہ دیجیے: نہیں غیب جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے مگر اللہ تعالیٰ اور انھیں خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔“

اس عمومی نفی کے بعد رسول اللہ ﷺ سے یہ اعلان کروایا ہے کہ میں بھی غیب نہیں جانتا:

۲۔ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ [الأنعام: ٥٠]

”کہہ دیجیے: میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، میں نہیں پیروی کرتا مگر اس وحی کی جو میری طرف کی جاتی ہے۔“

۳۔ ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ [الأحقاف: ٩]

”کہہ دو: میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمھارے متعلق مجھے کچھ پتا ہے، میں تو بس اس وحی کا پابند ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے۔“

ان تینوں آیات بینات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ کوئی نبی مرسل اور کوئی ملک مقرب اور زمین و آسمانوں میں اور فضا میں رہنے والی مخلوق علم غیب نہیں جانتی، لہٰذا ایسا مدعی روحانی قرآن کی ان نصوص کے مطابق سراسر جھوٹا اور مفتری ہے اور اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کا مدعی ہے۔ اس کو یہ غیر شرعی دھندے سے فوراً توبہ کرلینی چاہیے، ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا کہ اس کا یہ دعویٰ موجب غضب الٰہی ہے۔

هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب في يوم الحساب .

سوال: کیا ایسے آدمی کو مستقل امام بنانا درست ہے یا نہیں؟

(سائل: مدثر محمود، صدر بازار، لاہور کینٹ)

جواب: اس کا جواب سوال نمبر ۵ کے جواب میں آچکا ہے تاہم ایسے بدعقیدہ انسان کو امامت جیسے جلیل القدر منصب پر فائز کرنا ہرگز جائز نہیں۔

نوٹ: یہ تمام جوابات بشرط صحت سوال تحریر کیے گئے ہیں۔ اگر یہ الزامات جھوٹے ہیں اور ذاتی رنجش کا شاخسانہ ہیں تو پھر یہ الزامات بہتان ہیں اور بہتان جھوٹ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ بہتان کی صورت میں میرے یہ فتاویٰ اس مولوی پر عائد نہیں ہوں گے۔

دعائے مغفرت

قاری عبدالرزاق نثار خطیب جامع مسجد مبارک اہل حدیث چنیوٹ کے والد محترم گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون .

قارئین کرام مرحوم کی مغفرت وبلندیِ درجات کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔

(لواحقین)

علوم ومعارف

قسط نمبر ۲

قرآن وسنت کا باہمی تعلق

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شریف شاکر، فیصل آباد

قرآن وسنت کے باہمی تعلق کے بارے میں اجماعِ اُمت:

جس طرح قرآنی احکام واجب العمل ہیں اسی طرح سنت سے ثابت شدہ احکام پر بھی عمل کرنا واجب ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں کہ عہد نبوی سے تا وقتِ حاضر تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا ہے کہ جو احکام سنت نبوی سے ثابت شدہ ہیں انھیں قبول کرنا واجب ہے، اور اس بات پر اجماع رہا ہے کہ شرعی احکام جاننے، اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے کے لیے سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ صحابہ اور ان کے بعد آنے والے لوگ قرآن میں وارد شدہ احکام اور سنت میں وارد شدہ احکام کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ سب احکام واجب الاتباع تھے کیونکہ ان سب کا مصدر ایک ہے اور وہ اللہ کی وحی ہے۔ (الوجيز في أصول الفقه، ص: ١٦٣)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں کتاب وسنت کا باہمی تعلق:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن کریم اور سنتِ رسول کے ہوتے ہوئے کسی اور کے قول وعمل پر قطعاً کوئی توجہ نہیں دیتے تھے۔

میمون بن مہران تابعی (م ۱۱۷ھ) بیان کرتے ہیں کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی جھگڑا آتا تو آپ رضی اللہ عنہ کتاب اللہ میں دیکھتے، اگر آپ رضی اللہ عنہ اس کا حل کتاب اللہ میں پاتے تو اس کے ساتھ اس مقدمے کا فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اس بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوتی تو اس کے ساتھ فیصلہ کرتے۔ اگر اس سے عاجز آجاتے تو باہر نکل کر لوگوں سے پوچھتے اور فرماتے کہ مجھے فلاں مسئلہ درپیش ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہے؟ تو بعض دفعہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ جمع ہوکر آتے اور ان میں سے ہر ایک اس مقدمے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کا ذکر کرتا تو ابوبکر فرماتے:

''قابل ستائش ہے وہ ذات جس نے ہمارے نبی ﷺ کی باتیں یاد رکھنے والے ہم میں رکھے ہیں۔''

اگر آپ اس مقدمے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت معلوم کرنے سے عاجز آجاتے تو آپ سرکردہ اور پسندیدہ لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے، جب کسی امر پر سب مجتمع ہوجاتے تو آپ رضی اللہ عنہ اس اجماع کے ساتھ فیصلہ فرماتے۔ (سنن الدارمی بتحقيق سيد عبدالله هاشم، حديث نمبر: ١٦٣)

ابن سیرین ابوبکر صدیق کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"إن أبابكر نزلت به قضية فلم يجد في كتاب الله منها أصلا ولا في السنة أثراً فاجتهد برأيه ثم قال: هذا رأيي، فإن يكن صوابا فمن الله، وإن يكن خطأ فمني واستغفر الله."

(أعلام الموقعين من رب العلمين: ١/ ٥٤)

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی قضیہ پیش آتا، پھر اگر اس کی اصل کتاب اللہ میں نہ پاتے اور نہ سنت میں کوئی اثر (حدیث) پاتے تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتے، پھر فرماتے: ''یہ میری رائے ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری طرف سے ہے اور میں اللہ

سے معافی کا طلب گار ہوں۔''

ابوبکر صدیق سے یہ بھی منقول ہے:

"أي أرض تقلني وأي سماء تظلني أن قلت في اٰية من كتاب الله برأيي أو بما لا أعلم . "

(نفس المرجع)

''اگر میں کتاب اللہ میں اپنی رائے اور اپنی بے علمی سے بات کروں تو مجھے کون سی زمین اٹھائے گی؟ اورکون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں کتاب وسنت کا باہمی تعلق:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کے نام اپنے خط میں لکھا:

"فإن جاء ك شيئ في كتاب الله فاقض به ، ولا يلتفتك عنه الرجال فإن جاء ك ماليس في كتاب الله فانظرسنة رسول الله ﷺ فاقض بها ، فإن جاء ك ما ليس في كتاب الله ولم يكن فيه سنة من رسول الله ﷺ فانظر ما اجتمع عليه الناس فخذبه ، فإن جاء ك ماليس في كتاب الله ولم يكن في سنة رسول الله ﷺ ولم يتكلم فيه أحد قبلك ، فاختر أي الأمرين شئت: إن شئت أن تجتهد برأيك ثم تقدم فتقدم ، وإن شئت أن تتأخر فتأخر ولا أرى التأخير إلا خيرا لك . "

(سنن دارمي، حديث نمبر: ١٦٩)

''جب تیرے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا حل کتاب اللہ میں موجود ہوتو تو اس (کتاب اللہ) کے ساتھ فیصلہ کر، اور لوگ تیرے لیے اس سے رکاوٹ نہ بنیں۔ اگر تیرے پاس ایسا مقدمہ آئے جس کا حل کتاب اللہ میں موجود نہ ہوتو تُو رسول اللہ ﷺ کی سنت دیکھ، پھراس کے ساتھ فیصلہ کر۔ اگر تیرے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا حل کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اور نہ ہی اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت موجود ہوتو تُو ایسا جواب تلاش کر جس پر لوگوں کا اجماع ہو، پھر اسے اختیار کر۔ اگر تیرے پاس ایسا مقدمہ آئے جس کا حل کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہو اور نہ ہی اس مسئلے میں تجھ سے پہلے کسی نے گفتگو کی ہوتو تو دو چیزوں میں سے کسی ایک کو جسے تُو پسند کرتا ہے اختیار کر: اگر تُو اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کر کے پھر آگے بڑھنا چاہے آگے بڑھ۔ اور اگر تُو پیچھے ہٹنا چاہے تو پیچھے ہٹ اور میں تمھارے لیے تاخیر کو ہی پسند کرتا ہوں۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فإنه لما فتح الشام والعراق وغيرهما أرسل عمر بن الخطاب رضي الله عنه إلى الأمصار من يعلمهم الكتاب والسنة . "

(مجموع فتاویٰ: ۲۰/ ۳۱۱)

''جب شام اور عراق وغیرہ فتح کیے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں کتاب وسنت سکھانے والے بھیجے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تعلیم وتدریس کے لیے قرآن وسنت کو یکساں حیثیت دیتے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے قاضی شریح کو کوفہ کے عہدۂ قضا پر بھیجتے ہوئے فرمایا:

"انظر ما يتبين لك في كتاب الله فلا تسئل عنه أحداً، ومالم يتبين لك في كتاب الله فاتبع فيه سنة رسول الله ﷺ ، ومالم يتبين لك فيه السنة فاجتهد فيه رأيك . "

(أعلام الموقعين: ١/ ٦٣)

''جو چیز تمھارے لیے کتاب اللہ میں واضح ہو اس کے

بارے میں کسی سے نہ پوچھیے، اور جو تمھارے لیے کتاب اللہ میں واضح نہ ہو اس میں رسول اللہ کی سنت کی پیروی کیجیے اور جس مسئلے میں تمھارے لیے سنت واضح نہ ہو اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کیجیے۔''

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہاں کتاب وسنت کا باہمی تعلق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معاذ کے مابین بصورت سوال و جواب مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أرأيت إن عرض لك قضاء كيف تقضي؟))

''اگر تمھیں فیصلہ کرنے کا موقع ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟''

معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"أقضي بكتاب الله"

''میں کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فإن لم يكن في كتاب الله؟))

''اگر کتاب اللہ میں اس کا حل موجود نہ ہو؟''

معاذ نے کہا:

" فبسنة رسول الله ﷺ ."

''تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فإن لم يكن في سنةرسول الله؟))

''اگر اس کا حل رسول اللہ کی سنت میں نہ ہو؟''

معاذ نے کہا:

"أجتهد رأيي ولا الو"

''میں اپنے رائے سے اجتہاد کروں گا اور میں کسی کی پروا نہیں کروں گا۔''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

((الحمدلله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله .))

''تمام حمد اس اللہ کے لائق ہے جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔''

(سنن دارمي: ١/ ٥٥)

اس مکالمے میں کتاب وسنت کے گہرے تعلق کا معاذ نے ثبوت پیش کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی رضا کی مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں کتاب وسنت کا باہمی تعلق:

اس سلسلے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إذا سئلتم عن شيئ فانظروا في كتاب الله ، فإن لم تجدوه في كتاب الله ففي سنة رسول الله ، فإن لم تجدوه في سنة رسول الله ففيما أجمع عليه المسلمون ، فإن لم يكن فيما اجتمع عليه المسلمون فاجتهد رأيك . "

(نفس المرجع، حديث نمبر: ١٧١)

''جب تم سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے تو کتاب اللہ میں نظر دوڑاؤ، اگر اس (مسئلے) کو کتاب اللہ میں نہ پاسکو تو رسول اللہ کی سنت میں (تلاش کرو)، پھر اگر تم اسے سنت میں نہ پاؤ تو ان (فیصلوں) میں دیکھو جن پر مسلمانوں کا اجماع ہوا ہو، اگر مسلمانوں کے اجماع میں بھی نہ مل سکے تو تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کتاب وسنت کے فیصلے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا:

" من عرض له منكم قضاء فليقض بما في كتاب الله ، فإن لم يكن في كتاب الله فليقض بما قضى فيه نبيه ﷺ ، فإن جاء أمر ليس في

كتاب الله ولم يقض فيه نبيه ﷺ فليقض بما قضى به الصالحون، فإن جاء أمر ليس في كتاب الله ولم يقض به نبيه ولم يقض به الصالحون فليجتهد رأيه."

(أعلام الموقعين: ١/ ٦٣)

''تم میں سے جس شخص کے ہاں کوئی مقدمہ پیش ہو وہ اللہ کی کتاب میں موجود احکام کے ساتھ فیصلہ کرے، اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو جس کے ساتھ اس کے نبی ﷺ نے فیصلہ کیا، یہ بھی اسی کے ساتھ فیصلہ کرے۔ اگر ایسا معاملہ پیش آجائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے اور نہ اس میں جس میں اس کے نبی ﷺ نے فیصلہ کیا ہو تو یہ اس کے ساتھ فیصلہ کرے جس کے ساتھ صالحین نے فیصلہ کیا ہے، پھر اگر ایسا معاملہ آجائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، نہ اس کا فیصلہ اس کے نبی نے کیا ہے اور نہ اس کا فیصلہ صالحین نے کیا ہے تو یہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں کتاب وسنت کا باہمی تعلق:

اس بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"إنما هو كتاب الله و سنة رسول الله ﷺ، فمن قال بعد ذالك برأيه فلا أدري أفي حسناته يجد ذلك أم فى سيئاته!"

(أعلام الموقعين: ١/ ٥٨، ٥٩)

''(قابل تمسک) صرف اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اس (کتاب اللہ اور سنت رسول کی موجودگی) کے بعد جو شخص اپنی رائے سے کچھ کہے تو میں نہیں جانتا کہ کیا وہ اسے اپنی نیکیوں میں پائے گا یا اپنی برائیوں میں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا:

"من أحدث رأياليس في كتاب الله ولم تمض به سنة رسول الله ﷺ لم يدر على ما هو منه إذا لقي الله عزوجل!" (سنن دارمي: ١/ ٥٣، أعلام الموقعين: ١/ ٥٨)

''جو شخص ایسی رائے ایجاد کرے جو کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اور نہ ہی اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت جاری ہوئی ہو، وہ شخص نہیں جانتا کہ جب وہ اللہ عزوجل سے ملے گا اس رائے کے بارے میں اس سے کیا بنے گا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی اس پر عمل پیرا تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد عبداللہ بن ابی یزید رحمہ اللہ آپ کا عمل یوں بیان کرتے ہیں:

"كان ابن عباس إذا سئل عن الأمر فكان في القرآن أخبربه، وإن لم يكن في القرآن وكان عن رسول الله ﷺ أخبر به، فإن لم يكن فعن أبي بكر و عمر، فإن لم يكن قال فيه برأيه."

(سنن دارمي: ١/ ٥٥)

''جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کیا جاتا، اگر وہ قرآن میں موجود ہوتا تو اس کے بارے میں بتادیتے اور اگر قرآن میں نہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوتا تو اس کے بارے میں بتادیتے۔ اگر (رسول اللہ سے منقول نہ ہوتا) تو ابوبکر وعمر سے روایت کردیتے۔ اگر (ان سے بھی منقول) نہ ہوتا تو اس مسئلے میں اپنی رائے سے گفتگو کرتے۔''

ابن عباس نے فرمایا:

"لاتقولوا خلاف الكتاب والسنة"

یعنی کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات نہ کرو!

(أعلام الموقعين: ١/ ٥١)

ملکی تاریخ

قسط نمبر ①

احوالِ ملتان

حافظ ریاض احمد عاقب اثری، ملتان

جغرافیائی حالات:

ملتان کی ابتدائی جغرافیائی حالت کے متعلق شیخ اکرام الحق یوں لکھتے ہیں:

''طول بلد ۴۷ اور عرض بلد ۳۱ کے انقطاع پر پنجاب کے پانچ دریاؤں کے سنگھم کے قریب دریائے چناب کے موڑ کی گولائی میں ابنائے آدم کا ایک معمورہ ملتان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے محل وقوع کی کیفیت اور آب وہوا کی خاصیت نے عناصر حیات کی تنومندی کی ایسی ضمانت دی کہ اس شہر کو استقرار اور استمرار نصیب ہوا۔''

ان دنوں ملتان پندرہ میل قطر پر محیط ہے مگر مرکزی شہر ایک ٹیلے پر واقع ہے جس کے نیچے صدیوں بلکہ قرنوں کی خاک اور راکھ دبی ہوئی ہے۔ غلطان اور پیچان گلیوں کے کنارے پست اور بلند مکانوں کا مجموعہ جو وقت اور قدرت کے ہاتھوں اجڑتا اور بنتا رہا مگر اپنی انفرادیت نہ کھو سکا۔ اب بھی پرانے قلعہ کے دمدمے سے دعوتِ نظر دیتا ہے۔

چشم تصور کو وقت اس کی گود میں چمکتا دکھائی دیتا ہے اور تاریخ اس کے پاؤں میں ابھرتی نظر آتی ہے۔ لاکھوں سال پہلے کی ہیئت کا تو اندازہ نہیں مگر سب سے پہلے تاریخ نویس سیاح ہیون تسانگ نے اسے پانچ میل کے محیط میں پایا۔ اس وقت شہر کے دس دروازے تھے۔ چھ دروازے، یعنی پاک دروازہ، دہلی دروازہ، دولت دروازہ، لاہوری دروازہ، بوہڑ دروازہ اور حرم دروازہ کے ناموں سے اب بھی موجود ہیں۔ مزید چار دروازے قلعہ کی جانب کھلتے تھے اور دیہہ دروازہ، سکی دروازہ، زہری دروازہ اور مصری دروازہ کے ناموں سے مشہور تھے۔ مگر انگریزی عہد میں مسمار کر دیے گئے۔ سال ۱۹۴۷ء میں ملتان شہر کی آبادی بڑھ جانے سے تعمیر شدہ رقبہ ہر سمت بڑھا ہے اور اب ملتان پندرہ کے قطر میں ہے۔

مضافات میں جو آبادیاں قائم ہوئی ہیں وہ کالونی کہلاتی ہیں۔ حسن پروانہ کالونی، شمس آباد کالونی، جمال پورہ کالونی، گلگشت کالونی، رائٹرز کالونی، وکلاء کالونی، چوک گلدین کالونی، ممتاز آباد کالونی، چاہ شاکر خان کالونی اور نیو ملتان کالونی قابل ذکر ہیں۔

ابتداءً شہر اور اس کا محافظ قلعہ دریائے راوی کے دو جزیروں پر سطح آب سے ایک سو پچاس فٹ کے ارتفاع پر واقع تھا مگر کئی سو سال ہوئے دریائے راوی نے اپنا رخ بدل لیا اور اگرچہ ساڑھے پانچ سو سال پہلے امیر تیمور کے وقت تک اس شہر کے پاؤں میں بہتا رہا مگر اب شہر کے شمال مغرب کی طرف تیس میل کے فاصلے پر تعجب انگیز سیدھ میں بہتا ہے۔ راوی کے پرانے راہ کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔''

(ارضِ ملتان، ص: ۲۱،۲۲)

صاحب ''ارض ملتان'' نے دریائے راوی کے قدیم آثار کا جو ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ دریائے راوی پہلے ملتان شہر کے قدموں میں بہتا تھا۔ دریائے راوی کی لہریں بوہڑ دروازے کے باہر بن لوہاراں تک اٹھکیلیاں کرتی تھیں۔ دریا بوہڑ دروازے سے بہتا ہوا موجودہ چوک بازار کے وسط میں اسی مقام سے گزرتا تھا جہاں اس وقت مسجد علی محمد خاں ہے۔ دریائے راوی کے اس جگہ سے ''کنارہ کش''

ہونے کے بعد اب یہاں اک جہاں آباد ہے۔ اب راوی ملتان شہر سے تیس میل دور بجانب شمال کنارہ کر گیا ہے اور تحصیل کبیر والا موضع فاضل شاہ کے قریب دریائے چناب سے بغلگیر ہو گیا ہے۔

منشی عبدالرحمٰن ضلع ملتان کی حدود اربعہ کے بارے یوں رقمطراز ہیں:

''ضلع ملتان طول بلد ۷۱.۳۱ تا ۷۲.۲۸ اور عرض بلد ۲۹.۲۲ تا ۳۰.۲۴ کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مشرق میں ضلع لودھراں اور ضلع خانیوال، مغرب میں دریائے چناب اور اس کے پار ضلع مظفر گڑھ، شمال میں ضلع خانیوال اور جنوب میں دریائے ستلج اور اس کے پار ضلع بہاولپور واقع ہیں۔'' (تاریخ ملتان، ص:۴۷)

۱۸۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع ملتان کا رقبہ ۵۸۸۰ مربع میل تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۱ء کی مردم شماریوں کی رو سے ضلع ملتان ۵۶۳۰ مربع میل اور شہر ملتان ۱۳ مربع میل رقبے پر مشتمل تھا۔ موجودہ مردم شماری کی رو سے ضلع ملتان کا موجودہ رقبہ ۳۷۲۱ مربع کلومیٹر ہے اور میونسپل کارپوریشن کا رقبہ ۶۳۴ مربع کلومیٹر ہے۔ دورِ انگلشیہ میں فرنگیوں نے ملتان پر قابض ہونے کے بعد ۱۸۵۵ء میں پہلی مردم شماری کروائی جس کی رو سے ضلع ملتان کی آبادی ۴۱۱۳۸۶ نفوس پر مشتمل تھی۔ دوسری مردم شماری ۱۸۶۸ء میں ہوئی اس وقت ملتان کی آبادی ۴۷۲۲۶۸ تک تھی۔ تیسری مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی اس کے مطابق ملتان کی آبادی ۵۵۱۹۶۴ تک جا پہنچی۔

تاریخی حالت:

پاکستان کے قدیم ترین شہروں میں ملتان کا نام بھی سرفہرست ہے۔ یہ شہر ہزاروں برس سے مسلسل آباد چلا آ رہا ہے۔ ملتان ایک تاریخی اور قدیم شہر ہے۔ اس شہر کا تعلق تاریخی دور کی سب سے قدیم تہذیب ''وادیِ سندھ کی شہری تعدیب'' سے ہے۔

نامور مؤرخ ابوریحان محمد البیرونی اپنی مشہور کتاب ''مالِلہند'' میں لکھتے ہیں:

''گیارھویں صدی عیسوی میں میرے قیامِ ملتان کے دوران ملتان کے باشندے اسے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو تیس سال پرانا بتاتے ہیں۔'' (ما للھند، ص:۱۵۵ لیڈن ایڈیشن)

صاحب ارض ملتان البیرونی کے اس قول پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

''ممکن ہے یہ مبالغہ ہو مگر اس ضمن میں چند حقائق جو ذیل میں بیان کیے گئے ہیں توجہ طلب ہیں:

علم تواریخ نے اس شہر کی آغوش میں آنکھیں کھولی ہیں۔ پہلے کے وقائع تو روایات میں مستور ہیں۔ اتنا مسلم ہے کہ جب آرین اقوام نے سطح مرتفع پامیر اور ہندوکش کے پہاڑوں سے اتر کر پہلے پہل وادیِ سندھ میں قدم رکھا تو انھوں نے ملتان کو آباد پایا، اس استیلا کا زمانہ آج سے تقریباً چار ہزار سے آٹھ ہزار سال پہلے مانا جاتا ہے۔

رَگ وید انسان کے علم میں سب سے پرانی کتاب سمجھی جاتی ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ جنوب مغربی پنجاب، یعنی ملتان کے علاقے میں دریاؤں کے کناروں میں لکھی گئی ہے۔ مؤرخ ملّر کے مطابق رَگ وید کے اشلوک ولادتِ مسیح سے تین ہزار سال قبل مکمل ہوئے۔'' (ارض ملتان، ص:۲۳)

ملتان کی قدامت کا پہلا دستاویزی ثبوت اس وقت سامنے آیا جب انگریزی دور میں الیگزنڈر کننگھم کی زیرنگرانی پہلی مرتبہ ۱۸۵۳ء میں، بعدازاں ۱۸۶۴ء میں قلعہ ملتان پر پرہلاد مندر کے نزدیک آثار قدیمہ کو تلاش کیا گیا۔ آثار کاوی کے نتیجے میں برآمد ہونے والی اشیاء (مثلاً: تانبے کے سکے، اینٹیں اور قدرتی مٹی) کے تجزیے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ۸۰۰ ق م میں ملتان ایک تہذیب یافتہ شہر تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: Archaeological Survey of India, p:127)

ملتان کی تاریخی قدامت کے متعلق ماہر آثاریات ابن حنیف رقمطراز ہیں:

''اندرون فصیل ملتان کی گلیوں اور سڑکوں پر گزرتے وقت اکثر مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ ان گلیوں کے نیچے، ان سڑکوں کے نیچے گہرائیوں میں ہزاروں برس پہلے کا وہ ملتان سویا ہوا ہے جو صدیوں تک بار بار اجڑتا اور آباد ہوتا رہا۔ جو اَب سے ساڑھے چار ہزار سال قبل بھی پاکستان بھر کے چند اہم

ترین شہروں میں سے تھا۔ بعض ٹھوس وجوہات، منطقی نتائج اور بیشتر معقول قیاسات کی بنا پر کم از کم مجھے تو پختہ یقین ہے کہ دریا کے کنارے ملتان کے مقام پر پہلی بستی ساڑھے پانچ ہزار سال قبل کے لگ بھگ اس وقت بسائی گئی تھی اور اس وقت بھی آباد تھی جب پاکستان کے مختلف علاقوں میں جلیل پور، لیہ، دھنی وال، رحمان ڈھیری، ہٹھالہ، گوملا، کوٹ ڈیجی، ہڑپہ، موہنجوڈارو، وحب سادات، گلی گل محمد امری اور ایسی ان گنت دوسری چھوٹی چھوٹی بستیاں پہلے پہل آباد ہوئی تھیں اور بعد میں بھی آباد تھیں۔ یہ سب آبادیاں زراعت کاروں کی تھیں۔ اندرون فصیل ملتان شہر کی صورت حال ذہن میں رکھیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آئے گی کہ سارا شہر کافی اونچائی پر واقع ہے۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ گزشتہ پانچ ساڑھے پانچ ہزار برس کے دوران ملتان کتنی ہی بار آباد ہوا اور برباد ہوا اور یہ تباہ کاریاں دریائی سیلابوں کی بھی لائی ہوئی ہوسکتی ہیں اور دیگر آفاتِ سماوی کی نازل کردہ بھی۔ ملتان کی قدامت اور اہمیت کے سلسلے میں ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے اور وہ یہ کہ نہ صرف سکندر یونانی (۳۲۶ ق م) بلکہ ہڑپائی دور (۲۵۰۰ ق م ۱۵۰۰ ق م) میں بھی ملتان میں قلعہ اور فصیل موجود تھی۔ ہڑپائی دور میں بالفرض نہ سہی تو کم از کم سکندر کے زمانے میں عظیم الشان اور مضبوط و مستحکم قلعہ بہر حال موجود تھا، چنانچہ سوا دو ہزار سال قبل ملتان میں قلعے کی موجودگی سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسے اتنا بڑا مرکزی اور اہم شہر بننے میں کتنا عرصہ صرف ہوا ہوگا کہ جہاں قلعہ بھی بن سکے۔ ظاہر ہے یہ تدریجی ارتقاء چند برسوں میں تو ہونے سے رہا۔ ہزاروں سال لگے ہوں گے۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سات دریاؤں کی سرزمین، ص:۲۲۱)

ملتان کی بِنا کے متعلق کئی روایات ہیں، مثلاً: فرزندانِ آدم علیہ السلام نے جب زمین پر سکونت اختیار کی تو اس شہر کو میسان کے نام سے آباد کیا۔ ہندوؤں کی دیو مالا کے مطابق اسے برھما کے لڑکے کشب نے آباد کیا اور اسے کشب پور کا نام دیا۔ کشب سے کئی لڑکے پیدا ہوئے، اس کا سب سے چھوٹا لختِ جگر پر ہلاد تھا جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہوگیا کہ اس کائنات کا خالق، مالک، مدبر اور حاکم صرف اور صرف اللہ عزوجل ہے۔ بیٹے کے توحیدی نعرے سے باپ سخت ناراض ہوگیا۔ مخالفت یہاں تک پہنچ گئی کہ باپ اور بیٹے کے درمیان سخت تصادم ہوا جس کے نتیجے میں کشب قتل ہوگیا۔ کشب کے قتل کی تاریخ ہندو منجموں نے ۱۵۳۷ ق م متعین کی ہے۔ کشب کے بعد پر ہلاد تخت نشین ہوا اور اپنے پاکیزہ عقیدے کی بدولت پر ہلاد بھگت مشہور ہوگیا۔ اس کے عہد میں ملتان پر ہلاد پورہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

پر ہلاد کے فوت ہونے کے بعد عنانِ حکومت اس کے پوتے بانا کے ہاتھوں رہی۔ بعد ازاں بانا کے مخالف سنبہ نے اسے شکست فاش دی اور ملتان پر قابض ہوگیا۔ سنبہ ہندو مذہب پر سختی سے کاربند تھا۔ اس نے سورج کی پرستش دوبارہ رائج کردی اور ایک نہایت خوب صورت سونے کا بت سورج دیوتا کی یاد اور عبادت کے لیے بنایا جسے ''آدیہ استھان'' نامی مندر میں رکھا گیا۔ آدیہ استھان کے مندر کے اجرا کے بعد یہ شہر مول استھان پورہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

سنسکرت زبان میں ''مول'' کے معنی ''اصل'' کے ہیں اور ''استھان'' کے معنی ''جگہ'' کے ہیں، یعنی آدیۂ دیوتا کے مندر کی ''اصل جگہ''۔ ایک تاریخی حکایت کے مطابق آدیہ دیوتا کی نسبت سے اس شہر کو مولتان کے نام سے شہرت ملی۔ عہد فرنگی میں اس شہر کا نام مولتان ہی تھا۔ مولتان کو مزید آسان اور کم وزن بنانے کے لیے کسی دانشور نے صرف واؤ نکال کر سیدھا ملتان بنا دیا۔

(تلخیص از تاریخ ملتان، ص:۲۵، ارضِ ملتان، ص:۲۳)

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نام میں ملتان کے ہوتی رہیں تبدیلیاں
جتنے صیاد آئے بدل گئیں قفس کی تیلیاں

یہ تمام معلومات راقم ناچیز نے تاریخ ملتان (ص:۲۵،۲۷) از منشی عبدالرحمٰن اور ارض ملتان از اکرام الحق سے حاصل کر کے قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر یہاں تحریر کی ہیں۔

سیاسی حالات:

شہر ملتان کے سیاسی حالات ہر دور میں مسلم رہے ہیں۔ وادیِ سندھ میں اس کی مرکزیت اور تمام اَدوار میں صوبائی صدر مقام ہونے کی وجہ سے ملتان کی سیاسی اہمیت ہندوستان کے کسی بھی بڑے شہر سے کم نہیں رہی۔ غیر اسلامی اَدوار ہوں یا اسلامی اَدوار، ہر دو میں ملتان کی سیاسی حالت برقرار رہی ہے۔ ہر حاکم اور فرمانروا نے ڈٹ کر سیاست کی ہے۔

ملتان میں مسلمان خاندان کے مختلف افراد حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے سیاست میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ مختلف خاندان، مثلاً خاندانِ خلجی، خاندان تغلق، خاندان لنگاہ، خاندان مغلیہ، خاندانِ سادات اور خاندان سدوزئی وغیرہ کے راہنما اس شہر کے سیاسی افق پر چھائے رہے۔ خاندان سدوزئی کے حکمران نواب مظفر خان سدوزئی نے ۱۷۷۹ء سے لے کر ۱۸۱۸ء تک بڑی ٹھاٹھ سے حکمرانی کی۔

۱۸۰۲ء سے لے کر ۱۸۱۷ء تک سکھ قوم نے ملتان شہر پر زبردست حملے کیے مگر ہر حملے میں نواب مظفر خان نے سکھوں کو منہ توڑ جواب دیا۔ بالآخر ۱۸۱۸ء میں سکھوں نے ملتان پر آخری فیصلہ کن حملہ کیا۔ ۴ر جون ۱۸۱۸ء کی صبح کو سادھو سنگھ کی ماتحتی میں ایک لشکر قلعہ ملتان عبور کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ نواب مظفر خان نے، جو اس وقت عمر عزیز کی اسی بہاریں دیکھ چکا تھا، اپنے آٹھوں فرزندوں سمیت شمشیر بکف مردانہ وار مقابلہ کیا مگر اللہ تعالیٰ کو اور ہی مقصود تھا۔ نواب صاحب بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے اپنے پانچوں بیٹوں سمیت شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔

۱۸۲۱ء میں رنجیت سنگھ نے دیوان ساون مل کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے کم وبیش سترہ سال حکومت کی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۸۳۹ء میں وفات پا گیا۔ رنجیت سنگھ کے جانشین کنور نوہال سنگھ نے دیوان ساون مل کو برقرار رکھا۔

ستمبر ۱۸۴۴ء میں دیوان ساون مل اپنے پسندیدہ سپاہی خداداد خان کے ہاتھوں گولی کا شکار ہوا۔ بعد ازاں اس کا فرزند دیوان مولراج ملتان کا حاکم منتخب ہوا۔

گزشتہ صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ فرنگی حضرات نے ۱۷۰۰ء کو تاجرانہ بھیس بدل کر ہندوستان میں باقاعدہ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی۔ آہستہ آہستہ گوری چمڑی والے شاطروں نے تاجرانہ بھیس کا لبادہ اتار کر ملک کی سیاست میں مداخلت شروع کر دی۔ حالات نے انھیں سکھوں کے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ سکھوں کے ساتھ انگریزی چالبازوں کا سخت تصادم ہوا۔ سکھوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور انگریز شاطر پنجاب پر قابض ہوگیا۔

کرنل لارنس نے ملتان سے دیواج مولراج کو بلوا کر اطاعت پر آمادہ کیا۔ مولراج نے لیت ولعل سے اس کی بات ٹال دی مگر راجہ دینا ناتھ کے سمجھانے پر دیوان مولراج اطاعت پر آمادہ ہوگیا۔ اس پر کرنل جان لارنس نے دیوان مولراج کو ملتان کا صوبیدار بنا دیا۔

سیاست کے بدلتے ہوئے حالات کی بدولت دیوان مولراج کی کرنل لارنس سے نہ بن سکی۔ حالات اتنے کشیدہ ہوگئے کہ یکم جولائی ۱۸۴۸ء میں مولراج نے انگریز حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ بالآخر مولراج انگریزی فوج سے لڑتے لڑتے شکست خوردہ ہوا اور ۲۲ر جولائی ۱۸۴۹ء کو اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

۱۸۴۹ء میں ملتان پر فرنگی اقتدار کا آغاز ہوا۔ ملتان پر انگریزی تسلط کے بعد یہاں کی مرکزی سیاسی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی۔ فرنگی سیاست کیا تھی اس بارے مؤرخِ ملتان منشی عبدالرحمٰن یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

> ’’انگریزوں نے پنجاب میں ۱۸۴۷ء سے ۱۹۴۷ء تک حکومت کی۔ اس صد سالہ دورِ فرنگی میں انگریزوں کی سیاست نے ہمیں تفرقہ پردازی، ملت فروشی، دروغ سازی، بے انصافی، رشوت ستانی، بدکرداری، بداخلاقی، بے دینی، بے ایمانی، بے حیائی اور بے ضمیری کے اپنے خودساختہ قوانین کے ذریعے ایسے ایسے سبق پڑھائے اور تجربات کرائے کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔‘‘

مزید لکھتے ہیں:

''انگریزی سیاست کا بنیادی پتھر ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کا فرنگی اصول ہے۔'' (تاریخ ملتان، ص:۱۸۹)

ملتان میں انگریزی تسلط کے بعد مختلف فرنگی افراد اس علاقے کے انتظام وانصرام میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ انگریز کے مختلف علاقوں پر قبضے کے بعد پورے ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف لاوا پک رہا تھا۔ برصغیر کی مختلف چھاؤنیوں میں حریت پسند فرنگی اقتدار کے مخالف ہو رہے تھے۔ انگریزی فوجی چھاؤنیوں میں اکثریت مسلمان فوجیوں کی تھی۔ انگریز نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے جذبات مجروح کرنے کے لیے ایسی گولیاں بنائیں کہ جن کے پیچھے گائے اور خنزیر کی چربی لگی ہوئی تھی۔ اس فعل سے مسلم وہندو فوجیوں میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔

سب سے پہلے مرشد آباد کے حریت پسند سپاہیوں نے وہ کارتوس لینے سے انکار کر دیا جس پر چربی چڑھی ہوئی تھی۔ اس انکار نے تادیب کو دعوت دی جس پر مشتعل ہو کر ایک سپاہی نے اپنے افسر پر فائر کھول دیا اس کی پاداش میں اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

یہ خبر ۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کو جب میرٹھ چھاؤنی میں پہنچی تو آزادی کا آتش فشاں پھٹ پڑا۔ تمام معاسکر سے مسلمان سپاہیوں نے علم جہاد بلند کر دیا۔ بعض وقائع نگار ومؤرخین اسے جنگ غدر کا نام دیتے ہیں حالانکہ یہ غدر وبغاوت ہرگز نہ تھی بلکہ آزادی کی بیداری تھی جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی۔

جنرل بخت خان (جو راسخ العقیدہ اہل حدیث تھے) کی قیادت میں حریت پسندوں نے مدینۃ العلم دہلی پر قبضہ کر لیا اور آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کو حکمرانی کے لیے آمادہ کیا۔ اس آزادی کی تحریک میں قرآن وحدیث کے علمبردار، توحید وسنت کے داعی اور اربابِ حق وصداقت اہل حدیث حضرات نے بھرپور کردار ادا کیا۔

انگریزوں کی عیاری ومکاری، سکھ فوجیوں کی بے وفائی اور اپنوں کی غداری آڑے نہ آتی تو سو سال قبل خطۂ ہند فرنگی سامراج اور انگریز شاطر سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔

اس عہد پر آشوب میں سنگ دل انگریز نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ اکثر معاسکر کے مسلمان سپاہیوں کو نہتا کر کے بے دردی کے ساتھ تہ تیغ کیا گیا۔ دہلی ایسے عروس البلاد شہر میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ انگریز ظالم نے چنگیز وہلاکو خان کی یاد تازہ کر دی۔ بہادر شاہ ظفر کو تین دن بھوکا پیاسا رکھا گیا، جب اس نے کچھ کھانے پینے کے لیے مانگا تو تہذیب وتمدن کے دعوے دار، سنگ دل اور شقی القلب انگریز نے بہادر شاہ ظفر کے لخت جگر کو ذبح کر کے جگر اور گوشت طشت میں رکھ کر بہادر شاہ کو پیش کیا۔ بعد ازاں بغاوت کا مقدمہ دائر کر کے حبس دوام کی سزا دے کر رنگون (برما) روانہ کر دیا۔

یہ تو دہلی اور اس کے مضافات کی داستان حریت تھی۔ ادھر خطۂ ملتان میں بھی مسلمان سپاہیوں نے علم جہاد بلند کیا اور دوسرے مسلم سپاہیوں سے مل کر جہاد آزادی میں حصہ لیا۔ ان مسلم ایمان فروش فوجیوں کے علاوہ سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے تربیت یافتہ مجاہدین بھی اس جنگ آزادی میں شریک وسہیم تھے۔ ایک طرف یہ اربابِ حق وثبات کا لشکر تھا اور دوسری جانب ملتان کے مٹھی بھر غدار وبے ضمیر وڈیرے، جاگیردار، مخادیم، خوانین، ہندو مہاجن اور سکھ سردار ملک کے دوسرے ابن الوقت، مفاد پرست اور مکار وعیار وڈیروں کی طرح انگریز کی چاپلوسی کر رہے تھے۔ شہر ملتان کے وڈیرے اور جاگیردار جو آج کل ملکی سیاست میں پیش پیش ہیں ان کے آباء واَجداد استعمار کے غلام تھے اور انگریز کی نصرت واعانت پر مامور تھے۔ ان وڈیروں اور بااثر مخادیم وخوانین نے مجاہدین کو چن چن کر تہ وتیغ کیا۔ اس دور کے ایمان فروش اور غداروں کی ملت فروشی اور انگریز دوستی کی داستان بیان کرتے ہوئے منشی عبدالرحمٰن رقم طراز ہیں:

''کوئی چارسو کے قریب مجاہدین کا ایک گروپ شیر شاہ سوری کی طرف بڑھا۔ راستے میں شیر شاہ کی خانقاہ کے گدی نشین نے انگریزوں کے اِیما پر اپنے سینکڑوں ساتھیوں کی مدد سے ان نہتے سپاہیوں کا تعاقب کیا۔ ان میں کچھ بھاگ کر شجاع

آباد اور جلال پور پیر والا کی طرف نکل گئے اور باقی ماندہ مجاہدین کو دریائے چناب میں دھکیل دیا گیا جہاں کچھ ڈوب مرے اور جو پکڑے گئے انھیں نہایت بے دردی سے ہلاک کردیا گیا۔ جو مجاہدین جلال پور پیر والا کی جانب نکل گئے ان کے ساتھ انگریز کمشنر کے حکم پر جلال پور کی ایک معروف خانقاہ (پیر قتال) کے بااثر سجادہ نشین نے وہی خونی عمل دہرایا اور مجاہدین کو دریائے چناب اور ستلج کے مقامِ اتصال پر دریا میں دھکیل دیا ان میں سے کچھ ڈوب گئے اور باقیوں کو سجادہ نشین کے کارندوں نے شہید کردیا۔ مجاہدین کا ایک گروہ قلمبہ اور غوث پور کی جانب روانہ ہوا جن کے تعاقب میں کرنل ہملٹن نے لشکر کشی کی اور علاقے کے جاگیرداروں، جن میں حیات شاہ و پیر مراد شاہ کے نام قابل ذکر ہیں، کی مدد سے مجاہدین کا صفایا کر دیا گیا۔

مجاہدین کے ایک اور دستے نے سرائے سدھو کا رخ کیا، یہ تعداد میں زیادہ تھے۔ راستے میں انگریزوں کے مشہور حلیف بہاول لنگڑیال نے مقابلہ کیا وہ مقابلے میں مارا گیا۔ ملک مسو خاں وینس نے مجاہدین کا راستہ روکا مگر اسے ناکامی ہوئی۔ مہر سلطان ہرات اور ہوت مرگانہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مقابلے کے لیے آئے مگر وہ بھی قواعد دان مجاہدین کے سامنے جم نہ سکے۔ آخر کار سرائے سدھو کے قریب حویلی کورنگا اور قتال پور کے مخدوم مہر شاہ بخاری اور لالہ انگنت رائے، تحصیل دار سرائے سدھو کے کارندوں اور ملازموں نے مجاہدین آزادی کا راستہ روکا۔ اس جگہ زبردست لڑائی ہوئی۔ مجاہدین اگرچہ نہتے اور تھکے ہوئے تھے مگر اُنھوں نے ڈٹ کر ایمانی قوت سے مقابلہ کیا۔ قریب تھا کہ سیّد مہر شاہ بخاری کے آدمی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتے کہ اتنے میں انگریزوں کے حلیف نواب مصطفیٰ خاں خاکوانی فوج کا ایک تازہ دم دستہ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ مجاہدین نہتے ہونے کے ساتھ بھوکے پیاسے تھے۔ وہ لڑتے لڑتے تھک چکے تھے، اگرچہ بڑی بہادری سے لڑے مگر انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مجاہدین کی کثیر تعداد میدانِ جنگ میں شہید ہوئی، کچھ بھاگ گئے۔ انھیں بھی سیّد مہر شاہ بخاری کے کارندوں نے پکڑ لیا اور دریائے راوی کے کنارے قتل کر دیا گیا۔ لاشیں دریائے راوی میں پھینکوا دی گئیں۔''

(تفصیل کے لیے دیکھیں، تاریخ ملتان، ص: ۱۹۵، ۱۹۶)

بلدۂ ملتان کے مشہور گدی نشینوں، قبوریوں اور درباریوں نے مجاہدین آزادی کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا اور انگریز شاطر کے ساتھ کس طرح وفاداری نبھائی۔ آیئے! قدرے تفصیل کے ساتھ معروف کالم نگار اور نامور شاعر خالد مسعود خان کی زبانی ملاحظہ کرتے ہیں۔ خان صاحب یوں خامہ فرسا ہیں:

''۱۰ر جون ۱۸۵۷ء کو ملتان چھاؤنی میں پلٹون نمبر ۶۹ کو بغاوت کے شبہے میں نہتا کیا گیا اور پلٹون کمانڈو کو مع دس سپاہیوں کے توپ کے آگے رکھ کر اڑا دیا گیا۔ آخر جون میں بقیہ نہتی پلٹونوں کو شہید ہوا کہ انھیں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں فارغ کیا جائے گا اور انھیں تھوڑا تھوڑا کرکے تہ تیغ کیا جائے گا۔ سپاہیوں نے علم بغاوت بلند کیا۔

انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے دیگر مجاہدین کو شہر اور چھاؤنی کے درمیان واقع پل شوالہ پر دربار بہاء الدین زکریا کے سجادہ نشین مخدوم شاہ محمود قریشی نے انگریزی فوج کی قیادت میں اپنے مریدوں کے ہمراہ گھیرے میں لے لیا اور تین سو کے لگ بھگ نہتے مجاہدین کو شہید کردیا۔ یہ مخدوم شاہ محمود قریشی ہمارے موجودہ وزیر (پی پی پی) مخدوم شاہ محمود قریشی کے لکڑ دادا تھے اور ان کا نام انھی کے حوالے سے رکھا گیا تھا۔

کچھ مجاہدین دریائے چناب کے کنارے شہر سے باہر نکل رہے تھے کہ انھیں دربار شیر شاہ سوری کے سجادہ نشین مخدوم

شاہ علی محمد نے اپنے مریدوں کے ہمراہ گھیر لیا اور ان کا قتل عام کیا۔ مجاہدین نے اس قتل عام سے بچنے کے لیے دریا میں چھلانگیں لگا دیں۔ کچھ لوگ دریا میں ڈوب کر شہادت کا رتبہ پا گئے اور کچھ لوگ پار پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

دریا عبور کرنے والے مجاہدین آزدی کو سیّد سلطان احمد قتال بخاری کے سجادہ نشین دیوان آف جلال پور پیروالا نے اپنے مریدوں کی مدد سے شہید کر دیا۔ جلال پور پیر والا کے موجودہ ایم این اے دیوان عاشق بخاری انھی وفادارِ انگریز کی آل سے تعلق رکھتے ہیں۔

مجاہدین کی ایک ٹولی شمال میں حویلی کورنگا کی طرف نکل گئی جسے سیّد مہر شاہ بخاری آف حویلی کورنگا نے اپنے مریدوں اور لنگڑیال، ہراج، مرگانہ اور ترگڑ سرداروں کے ہمراہ گھیر لیا اور ان مجاہدین آزادی کو چن چن کر شہید کیا۔ مہر شاہ آف حویلی کورنگا سیّد فخر امام کے پڑدادا کا سگا بھائی تھا۔ اسے اس قتل عام میں فی مجاہد شہید کرنے پر بیس روپے نقد یا ایک مربع اراضی عطا کی گئی۔

مخدوم شاہ محمود قریشی کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے کچلنے میں انگریزوں کی مدد کے عوض تین ہزار روپے نقد، جاگیر، سالانہ معاوضہ مبلغ ایک ہزار سات سو اسی روپے اور آٹھ چاہات جن کی سالانہ جمع ساڑھے پانچ سو روپے تھی بطور معافی دوام عطا ہوئی۔ مزید یہ کہ ۱۸۶۰ء میں وائسرائے ہند نے بیگی والا باغ بھی عطا کیا۔

مخدوم آف شیر شاہ اور مخدوم شاہ علی محمد کو دریائے چناب کے کنارے مجاہدین کو شہید کرنے کے عوض وسیع جاگیر عطا کی گئی۔ مؤرخہ ۲۱ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو راوی کے کنارے ''دلے دی ڈل'' میں جب احمد خاں کھرل پر حملہ ہوا تو وہ نمازِ عصر ادا کر رہا تھا۔ اس حملے میں انگریزی فوج کے ہمراہ مخدوموں، سیّدوں، سجادہ نشینوں اور دیوانوں کی ایک فوج ظفر موج تھی جس میں دربار سیّد یوسف گردیز کا سجادہ نشین سیّد مراد شاہ گردیزی، دربار بہاء الدین زکریا کا سجادہ نشین مخدوم شاہ محمود قریشی، دربار فرید الدین گنج شکر کا گدی نشین مخدوم آف پاک پتن، مراد شاہ آف ڈولا بالا، سردار شاہ آف کھنڈا اور گلاب علی چشتی آف بھٹی لال بیگ کے علاوہ بھی کئی مخادیم وسجادہ نشین شامل تھے۔ اس طرح جانگلی علاقے کی تحریک آزادی مخدوموں، سرداروں، وڈیروں، گدی نشینوں اور خواتین کی مدد سے دبا دی گئی۔'' (ملاحظہ کریں ''تصوف کی آفاقی قدریں'، روزنامہ جنگ ۲۷رمئی ۲۰۱۰ء بمطابق ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ)

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ خطۂ ملتان کے سجادہ نشینوں، درباریوں، وڈیروں، جاگیرداروں اور مخدوموں نے ملت فروشی کا ثبوت دیتے ہوئے مجاہدین آزادی کا قتل عام کیا جس کے عوض ان غداروں وعیاروں کو فرنگی سرکار نے انعام واکرام سے نوازا۔ آج بھی ان گدی نشینوں اور جاگیرداروں کی ذریت وطن عزیز پاکستان میں اونچے اونچے کلیدی عہدوں پر براجمان ہے اور انگریز کی وفاداری، نوکری وچاکری اور غلامی میں پیش پیش ہے۔

راقم ناچیز یہاں بلدۂ ملتان کے اہل قلم حضرات کے حوالے سے فرنگیوں کے ان وفا شعاروں اور اطاعت گزاروں کے بارے رقم کرنا چاہے گا کہ ان غداروں کو انگریز کی دوستی، وطن دشمنی، ملت فروشی اور مجاہدین آزادی کو کچلنے کے عوض سرکار نے کیا کچھ عطا کیا؟ کیونکہ ''صاحب البیت أدریٰ بما فیه'' کے مصداق یہ مؤرخین ان افراد کو ہم سے بہتر جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ ان مرتبین تاریخ ملتان میں وہ بھی ہیں جن کا تعلق ان خاندان کے ساتھ ہے۔

منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں:

''ملتان میں چار خاندانوں، گیلانیوں، قریشیوں، خاکوانیوں اور گردیزیوں نے انگریزوں کی خوب مدد کی اس کے عوض انھیں انعامات، جاگیردات اور خطابات سے نوازا گیا۔''

(تاریخ ملتان، ص:۳۰۷)

منشی صاحب ایک جگہ یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

''بغاوت کے خاتمے پر انگریزی حکومت نے اپنے حلیفوں پر انعامات کی بارش کر دی۔ انگریز کے وفادار، کاسہ لیس جاگیرداروں، مخادیم، خواتین اور وڈیروں پر انگریز حکومت کی نوازشات کی فہرست کافی طویل ہے۔'' (تاریخ ملتان، ص:۱۹۸)

خلیفہ کی ضرورت کیوں؟

عطاء محمد جنجوعہ

خلافتِ اِسلامیہ ملتِ اِسلامیہ کے اتحاد اور عظمت کی علامت تھی۔ نیم مردہ خلافت کے دور میں خلیفہ اگر چہ عضو معطل کی حیثیت رکھتا تھا تاہم اُس کے نظری اقتدار کا سب کو اعتراف تھا۔ دور دراز علاقوں کے آزاد مسلم حکمران بھی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے اور اُن کے نام کے سکے جاری تھے۔

''سلطان محمود غزنوی نے خلیفہ مقتدی باللہ کی خلافت کے سامنے سر جھکا دیا۔ یوسف بن تاشفین نے مراکش پر قبضہ کیا لیکن حکومت کرنے کی اجازت خلیفہ سے طلب کی تو مقتدی باللہ نے اس کو امیر المسلمین کا لقب عطا فرمایا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی عباسی خلیفہؒ کا خطبہ مصر بلاد مغرب یمن اور سوریہ کے منبروں پر پڑھا۔ خلیفہ نے بطور اظہار خوشنودی ان ممالک کی نیابت کا شرف بخشا تھا۔ خلیفہ مستنظر نے شمس الدین التمش کو ہندوستان کی نیابت اور سلطان کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ التمش نے اپنی سلطنت میں سکہ خلیفہ کے نام کا بھی جاری کیا ہوا تھا۔''

(مسلمانوں کا نظم مملکت از ڈاکٹر حسن ابراہیم قاہرہ، ص:۹۴)

خلافتِ عثمانیہ کے دور میں مسلم فوج یورپ میں داخل ہوگئی۔ فرانس کے دروازے پر اسلام کی دستک دی، اس لیے یہود ونصاریٰ نے خفیہ پلان بنا کر ملت اِسلامیہ کو نظریاتی اتحاد و یک جہتی کی علامت ''خلافت'' سے محروم کردیا۔ اور نسلی ولسانی بنیاد پر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کردیا۔ یورپی اقوام نے ان کو آپس میں بانٹ لیا۔ وہ ایک صدی کے دوران مسلمانوں کی نئی پود کی مغربی فلسفے کی بنیاد پر سیاسی تربیت کرتے رہے، پھر ان کو خود مختار ریاستوں کی صورت میں آزاد کیا۔ لیکن ان میں نسلی ولسانی اور مذہبی فساد بھڑکا کر ایک دوسرے کا حریف بنا دیا تاکہ نظریاتی اتحاد کا خواب ''خلافت کا قیام'' چکنا چور ہو کر رہ جائے۔

اسلامی ممالک کے اتحاد کے لیے کئی تنظیمیں قائم ہوئیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ہی اپنی افادیت کھو بیٹھیں۔ تاہم مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کے بعد سعودی عرب کے شاہ فیصل اور مراکش کے شاہ حسن کی جدوجہد سے ۱۹۶۹ء میں او آئی سی معرض وجود میں آئی۔ جس کے اب تک متعدد اجلاس ہو چکے ہیں۔ لیکن اسلامی سربراہی کانفرنس نے نہ تو اسلامی دنیا کے باہمی تنازعات کا پرامن حل تلاش کیا ہے اور نہ ہی سامراجی طاقتوں کی جارحیت کے خلاف متفقہ لائحہ عمل اختیار کیا ہے، چنانچہ او آئی سی متحارب گروپوں سے اخلاقی اپیل کرسکتی ہے لیکن اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ وہ زیادہ سے زیادہ اقوامِ متحدہ کے دروازے پر دستک دے سکتی ہے۔ اقوامِ متحدہ میں امت مسلمہ کے مفاد کا مسئلہ ہو تو ویٹو پاور کی کند چھری سے ذبح ہوجاتا ہے۔ اگر کسی مسئلے پر یو این او نے قرارداد منظور کی ہو تو اس پر عمل کی نوبت نہیں آتی۔ مسئلہ کشمیر اس کی واضح مثال ہے۔

مسلم سربراہان اقوام متحدہ کے دوہرے معیار یا امریکہ کی ڈپلومیٹ پالیسی پر تنقیدی بیان دینے کی جرأت نہیں رکھتے کیونکہ آئی ایم ایف اور عالمی بنک نے اُن کو مقروض کر کے اپاہج کردیا ہے، اُن کی فنی وعسکری صلاحیتوں کو سلب کرلیا ہے۔ غیر مسلم دنیا اسلامی تہذیب وتمدن کو مٹانے کے لیے "الکفر ملة واحدة" کے تحت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں۔ ان سب نے امریکہ کو اپنا قائد ایوان تسلیم کرلیا ہے۔

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ امریکہ کی دوستی اُس کی دشمنی سے بھی زیادہ خطرناک ہے جس نے یہودیوں کو مفاد پہنچانے اور مسلمانوں کو ایذا رسانی دینے کا حلف اٹھا رکھا ہے۔ امریکہ زمین پر سی آئی اے کا جال پھیلا کر اور خلا میں سیارے چھوڑ کر پوری دنیا کو کنٹرول کر رہا ہے۔ خصوصاً مسلم دنیا کی خفیہ ایجنسیوں اور حساس اداروں پر تسلط قائم کر کے من مانی کارروائی کر رہا ہے۔ اور مسلمانوں کے اہم نوعیت کے علاقوں میں ہوائی اڈوے اور بندرگاہیں قائم کرنے کی مراعات حاصل کر چکا ہے۔ تیل، توانائی، معدنیات اور ملکی معیشت کو بین الاقوامی اداروں کے زیر تسلط کر کے مفاد حاصل کر رہا ہے۔ اور مسلمانوں کے خون پسینے کی کمائی سے وائٹ ہاؤس تعمیر کر رہا ہے جس طرح فرانس اور برطانیہ نو آبادیاتی دور میں شیش محل تعمیر کر چکے ہیں۔

اسلام دشمن قوتیں مسلم کش پالیسی پر گٹھ جوڑ کر چکی ہیں۔ مزید برآں وہ اپنے تابناک سیاسی مستقبل کے لیے مصروف کار ہیں۔ چین اور بھارت نے ایٹمی توانائی اور اقتصادی ترقی میں کافی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ یورپی ممالک، جو پہلے ہی دفاعی وصنعتی ترقی میں خود کفیل ہو چکے تھے، جرمنی اور فرانس نے براعظم یورپ کے اتحاد و یک جہتی کے لیے یورپی یونین تشکیل دی۔ جرمن چانسلر نے ۱۹۹۶ء میں یورپی یونین کی داخلی و بیرونی سلامتی کے مقاصد بیان کیے۔

''بیرونی سرحدوں رویزا پناہ، ترک وطن اور کسٹم کے بارے مشترکہ پالیسیوں پر عمل درآمد۔ یورو پول، یعنی یورپ کی پولیس کے ایک بااختیار ادارے کی بتدریج تشکیل۔ سرحد پار دہشت گردی اور منشیات سمیت سنگین جرائم سے نمٹنے کے لیے قوانین میں ہم آہنگی۔ ایک مشترکہ عملی ادارے کا قیام جو فیصلہ سازی اور فیصلوں پر عمل کرانے میں مرکزی کردار ادا کر سکے۔ امور خارجہ اور سلامتی کی مشترکہ پالیسی کی نمائندگی کے لیے ایک فرد کا تقرر جو صدارت کونسل اور کمیشن کی مدد کر سکے۔ سلامتی اور دفاع کے شعبوں کے لیے مشترکہ اداروں کے بارے اتفاق رائے پیدا کرنا۔ اقتصادی اور مالی یونین مکمل کر کے واحد پوری منڈی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مشترکہ کرنسی رائج کرنا۔''

(معلومات جرمنی، فروری ۱۹۹۷ء)

یورپی یونین نے پندرہ سال کے دوران اپنے مذکورہ مقاصد کو عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ عالمی قیادت کی باگ ڈور سات سو سال تک امت مسلمہ کے پاس رہی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اب انھیں عظمت رفتہ کے حصول کا احساس تک نہ رہا۔ یہی وجہ ہے موجودہ دور کے مسلم طالب علم کو تاریخ اسلام الف لیلیٰ کی داستان دکھائی دیتی ہے کہ ۶۰ مسلمان ۶۰ ہزار کفار پر غالب آ گئے۔ نصف کرۂ ارض اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھا۔ قیصر وکسریٰ کے محلات پر اسلام کا پرچم لہرایا گیا۔ خاقان چین خراج دینے پر مجبور ہو گیا۔ وسیع وعریض سلطنت میں مسلمان اتنے خوشحال تھے کہ کوئی صدقہ وخیرات لینے والا نہ رہا۔ بچہ پیدا ہوتا تو حکومت کی طرف سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا۔

لیکن اب امت مسلمہ خواب غفلت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ انھوں نے بود وباش کے اعلیٰ معیار کو اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ شیطانی زر پالیسی کی وجہ سے غریب طبقے کی تگ ودو پیٹ بھرنے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اگرچہ بعض جگہوں پر مسلمان آزادی کے لیے سرگرم عمل ہیں لیکن متوقع مثبت نتائج برآمد نہیں ہو رہے۔ وہ اس لیے کہ اُن میں ایمان، اتحاد اور جہاد کا فقدان ہے۔

امریکہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلسل پرواز سات آٹھ گھنٹے سے کم نہیں۔ اس ملک کے اندر ٹائم کا پانچ گھنٹے کا فرق ہے۔ جس کی پچاس ریاستیں ہیں اور ہر ریاست مستقل ملک کے برابر ہے۔ جن کی زبانیں بھی مختلف ہیں لیکن وہ سب ایک پرچم کے سائے تلے ہیں۔

ہندوستان اور چین میں بھی یہی صورت حال ہے۔ یورپی اقوام بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں۔ لیکن مسلم ممالک جسدِ واحد کی مانند متحد ومنظم کیوں نہیں ہوتے، جن کا قبلہ ایک، رسول ایک اور قرآن ایک ہے۔ اگر مسلم ریاستیں اپنی اتھارٹی پاور خلیفہ کو منتقل کر

دیتے تو بیت المقدس کب کا آزاد ہو چکا ہوتا۔ یورپی اقوام بوسنیا کے مسلمانوں کو تر نوالہ نہ بناتے۔ روس کو چیچنیا کے مسلمانوں پر وحشیانہ بمباری کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ کشمیر کی بہو بیٹیوں کی عزت کو خاک میں نہ ملایا جاتا، بھارتی بنیا بابری مسجد کو منہدم نہ کرتا۔ اگر مسلمان ایک دیوار کی مانند ہوتے تو سکیانگ میں چینی کیمونسٹ رمضان کے مقدس مہینے کے دوران گھر میں اکٹھے نماز پڑھنے والے نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ کرکے شہید نہ کرتے۔ امریکہ کو افغانستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی اور عراق میں فاسفورس بم برسا کر مسلمانوں کو زندہ نہ جلایا جاتا۔

چین، ہندوستان، برما، فلپائن اور کمپوچیا میں مقیم مسلمان کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے کی سزا بھگت رہے ہیں جبکہ یورپ اور امریکہ میں اسلامی تشخص کو مٹانے کی مہم جاری ہے۔ مسلم میڈیا نے اتنی ترقی نہیں کی کہ غیر مسلم دنیا کی مسلم اقلیتوں کی تازہ صورت حال سے بروقت آگاہ کر سکے۔ اگر کسی ذریعے سے پتا بھی چل جائے تو اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ کہیں فرعون کی معنوی اولاد ناراض نہ ہو جائے۔

اس وقت عالم اسلام کا مؤثر ادارہ او آئی سی عملی طور پر اقتصادی بائیکاٹ یا دفاعی کارروائی نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں شامل ممالک اقوام متحدہ کے فیصلوں کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اُن کی زبانوں پر رکنیت کی وجہ سے دستور نے تالے لگائے ہوئے ہیں۔

آج بھی اسلامی ممالک عملی طور پر آئی ایم ایف کے بجائے اللہ ہی کو ربّ العالمین مان لیں، امریکی صدر کی بجائے مالك الملك کو أحكم الحاكمين تسلیم کرلیں، لینن ولنکن کی بجائے خاتم النّبیین ﷺ کو رحمة للعالمين تسلیم کرلیں، یو این او کے دستور کی بجائے هدى للمتقين پر عمل کرنا شروع کردیں، واشنگٹن کا چکر لگانے کی بجائے مکہ مکرمہ میں هدى للعالمين کا طواف کریں اور وائٹ ہاؤس کی بجائے مسجد نبوی کے منبر سے فیض حاصل کریں، دنیا بھر کی مسلم ریاستیں اقوام متحدہ کی بجائے خلافت اِسلامیہ کے پرچم تلے متحد ہو جائیں اور مسلم حکمران ایک خلیفہ کی بیعت کرلیں تو وہ اپنے اسلاف کی تاریخ کو از سر نو زندہ کر سکتے ہیں، اور اکیسویں صدی میں عالم انسانیت کو مادہ پرستی سے نکال کر خدا پرستی کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں، چنانچہ ہر اسلامی ریاست میں علماء دانش ور اور صحافیوں پر مشتمل تحریک اِحیائے خلافت کی ضرورت ہے جس کے داخلی مقاصد مندرجہ ذیل ہوں:

سیکولر نظاموں کا خاتمہ کرکے تقویٰ واَہلیت کی بنیاد پر اسلام کا شورائی نظام بحال کرنا تاکہ مخلص قیادت برسر اقتدار آئے۔

قارونی نظامِ زر کی بجائے سود سے پاک اسلامی معیشت رائج کرنا۔ اَہلیت وقابلیت کو معیار بنا کر ہر قسم کی تقرریاں کرنا۔ حکومت پر فائز سرکاری عہدہ داروں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا احساس دلانا، باز نہ آنے پر اُن کے خلاف قانونی کارروائی کرنا۔

زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی قانون نافذ کرنا تاکہ عدل وانصاف قائم ہو جبکہ خارجی سطح پر اِحیائے خلافت کی تحریک عوام میں شعور پیدا کرے جو اپنی ریاست کے سربراہ کو خلیفہ کی اطاعت کرنے پر مجبور کرے۔

مسلم ریاستیں جغرافیائی لحاظ سے ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ اگر اُن کے آئینی سربراہ صدر یا وزیر اعظم خود کو صدر یا گورنر کے اختیارات تک محدود کرلیں اور اسلامی سربراہی کانفرنس کے آئندہ اجلاس میں اَہلیت وتقویٰ کی بنیاد پر ایسے خلیفہ کو منتخب کرلیں جس کو دفاع، امور خارجہ، مواصلات، اطلاعات ونشریات، تعلیم واقتصادیاتی معاملات کے اختیارات سونپ دیے جائیں، ریاستی سربراہ اور ان مذکورہ شعبوں کے وزراء کو خلافت کی مرکزی شوریٰ میں شامل کیا جائے تو یہ عظمت رفتہ کے حصول کی پہلی کامیاب کوشش بن سکتی ہے۔

خلیفہ کے اوصاف:

مسلمان بالغ، عاقل، آزاد اور صالح مرد ہو، سلیم الاعضاء اور کتاب وسنت کا علم رکھتا ہو۔ جس اسلامی ریاست کے سربراہ نے اپنی حدود مملکت میں قرآن وسنت کی بالا دستی قائم کر رکھی ہو، اس کی

ریاست میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو اور کسی سے امتیازی سلوک نہ کیا جاتا ہو۔

ریاست معاشی طور پر خود کفیل ہو۔ وہ آئی ایم ایف یا کسی غیر مسلم کی مقروض نہ ہو بلکہ دیگر مسلم امارتوں کی اعانت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، ملک میں کسی قسم کا سودی نظام رائج نہ ہو۔ عسکری صلاحیت سے لیس ہو، وہ اپنا دفاع کرنے کے لیے غیروں کی محتاج نہ ہو اور نہ اُسے اسلحے کی بھیک مانگنی پڑے بلکہ ایٹمی دھماکہ کر کے اپنی قوت کا اعلانیہ مظاہرہ کر چکا ہے یا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

جس اسلامی امارت کا امیر اسلامی تعلیم وتزکیہ کا مجسمہ ہو کہ حج کے موقع پر خطبہ دینے کے لیے سب کی نظروں کا مرکز بن جائے، جہاد کا میدان گرم ہو تو مجاہدین خلیفہ کی قیادت میں سینہ سپر ہونے میں اپنی سعادت سمجھیں۔ خوراک، لباس، رہائش کی سادگی کا ایسا نمونہ ہو کہ اپنوں میں بیٹھا ہو تو کوئی پہچان نہ سکے، عوام جس کو دیکھ کر کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہنے کی خواہش ترک کر دیں۔ اگر خلیفہ دشمن سے گفتگو کرے تو اُن پر رعب چھا جائے، اُس میں ایمانی غیرت ہو کہ وہ غیر مسلم ممالک کو اسلام کی دعوت دے سکے۔

الحاق کی شرائط:

شامل ہونے والی ریاستوں پر کڑی شرائط عائد کی جائیں کہ وہ اسلام کا قانون نافذ کریں۔ سودی نظام ترک کر کے اسلام کا معاشی نظام اپنائیں۔ فوجی تربیت لازمی کریں۔ اپنی مصنوعات کو مشترکہ منڈی میں لائیں۔

تذکرۂ مولانا محی الدین لکھوی رحمہ اللہ

میں نے مولانا محی الدین لکھوی کے حالات پر بہت سا مواد جمع کر دیا ہے۔ ہمارے بہت سے احباب کا جماعتی، مسلکی اور روحانی تعلق موصوف سے رہا ہے۔ وہ احباب کچھ اپنے بارے یا مولانا مرحوم کے بارے معلومات دینا چاہیں تو اس حوالے سے لکھ بھیجیں۔

پتا: محمد اسحاق بھٹی، جناح سٹریٹ نمبر ٢٠، اسلامیہ کالونی، سانده، لاہور۔ فون نمبر: 042-37143677

اصلاحِ معاشرہ

اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا واحد ذریعہ تحقیق کی راہ

عبدالقدوس، گوجرانوالہ

گرمی کی شدت سے نڈھال کوئی شخص کسی دکان سے کولڈ ڈرنک طلب کرتا ہے، دکان دار اس کے لیے کولڈ ڈرنک مہیا کرتا ہے جس کے اصلی یا نقلی ہونے کا اندازہ ایک دو گھونٹوں میں ہو جاتا ہے۔ اگر نقلی ہو گی تو پیاس کی شدت سے نڈھال انسان اسے کھری کھری سنائے گا، اور آئندہ اس دکان سے کوئی چیز نہیں خریدے گا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی بد دیانتی کی اطلاع دے گا۔

قارئین کرام دیکھیے یہ شخص انتہائی ارزاں شے پر کس قدر بھڑک اٹھا اور احتیاط کا عالم یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس دکان سے منع کر رہا ہے۔ مگر دینِ اسلام کے معاملے میں ہم اتنے لاپروا اور بے احتیاط ثابت ہوئے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص کسی بھی قسم کی کوئی بھی بات دین کی طرف منسوب کرتا ہے ہم فوراً انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں کے ساتھ لگاتے ہیں اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے آمـــنـــا و صدقـنـا کہہ کر اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ کبھی ہم نے یہ سوچا ہی نہیں کہ یہ جو بات ہمیں دین کے حوالے سے بتلائی جا رہی ہے یہ اللہ عزوجل کی کتاب قرآن مجید میں یا آقائے دو جہاں سرورِ کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث و سنن میں ہے بھی یا نہیں۔

تو اللہ عزوجل اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن تُصِيبُوا۟ قَوْمًۢا بِجَهَـٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَـٰدِمِينَ ﴾ [الحجرات: ٦]

’’اے ایمان والو! جب تمھارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تم کسی قوم سے الجھ پڑو، پھر تم خود ہی اپنے کیے پر شرمندہ ہو جاؤ۔‘‘

دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾

[النحل: ٤٣]

’’تمھیں اگر علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔‘‘

ان دونوں آیات مبارکہ میں تعلیم و تعلّم اور تحقیق کی ترغیب دی گئی ہے۔ چند امثلہ ہم پیش کرتے ہیں کہ سلف و صالحین ہر بات کی خوب تحقیق کیا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاج میں یہ تبدیلی اور انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ وہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنی مرضی، رائے، چاہت، خواہش اور دل کی تمنا کو اختیار کرنے کی بجائے تحقیق کے راستے پر چل کر اصل اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن دینی مسائل کا علم ہوتا اسی کے مطابق عمل کرتے اور جن کا علم نہ ہوتا اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے یا آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرتے، پھر عمل کرتے۔

۱۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

’’ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر پر تشریف لے گئے اور دستک دے کر السلام علیکم کہا اور اجازت طلب کی۔ مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی کام میں مصروف تھے جس کی وجہ سے دروازہ کھولنے میں تاخیر ہوئی۔ اور سوچ کر خاموش ہو بیٹھے کہ ابھی ایک دفعہ اجازت مانگی ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر انتظار کے بعد دوسری دفعہ دستک دی، السلام علیکم کہا، اور پوچھا: کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں؟ مگر دوسری دفعہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا ابھی دوسری دفعہ اجازت طلب کی ہے اور خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تیسری دفعہ دستک دی اور اجازت طلب کی مگر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تیسری دفعہ بھی

خاموش رہے، پھر کچھ دیر بعد باہر آئے اور دربان سے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا تو دربان نے کہا: وہ تو چلے گئے ہیں، فرمایا: اس کو بلا کر لاؤ۔ جب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم چلے کیوں گئے؟ (کچھ دیر انتظار تو کر سکتے تھے) ابوموسیٰ نے جواب دیا: جو میں یہاں سے چلا گیا، سنت پر عمل کرتے ہوئے گیا تھا۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا:

"السنة؟ والله لتأتيني على هذا ببرهان أو ببينة أو لأفعلن بك."

''اگر یہ سنت ہے تو اس کی کوئی دلیل لاؤ یا کوئی گواہ لاؤ، ورنہ میں تمھارے ساتھ سختی سے پیش آؤں گا۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم انصار کے ایک گروہ میں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوموسیٰ ہمارے پاس تشریف لائے، اور مخاطب ہوئے: اے انصار! تم رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والے ہو، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تین بار اجازت طلب کرنی چاہیے، اگر اجازت ملے تو داخل ہو جاؤ ورنہ لوٹ جاؤ۔ تو لوگ ان کے ساتھ خوش طبعی کرنے لگے (کہ تم تو بُرے پھنسے)۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے آپ کو پیش کیا اور کہا: چلو میں گواہی دیتا ہوں، پھر ہم دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور میں نے کہا: واقعی نبی ﷺ نے ایسے ہی فرمایا کہ تین دفعہ اجازت طلب کرو ورنہ لوٹ جاؤ۔

(سنن ترمذي، كتاب الاستئذان، باب الاستئذان ثلاث)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں بھی، جو کہ خیر القرون ہے اور جن کے عادل وضابط ہونے میں کوئی شک نہیں، تحقیق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت کرنے والے سے اس کی دلیل یا گواہ مانگا جاتا، پھر اس کو تسلیم کیا جاتا۔

یہی وجہ تھی کہ پیارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کے اتقان بالایمان والاسلام کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''اے عمر! تُو جس راستے پر چلتا ہے شیطان وہ راستہ تبدیل کر لیتا ہے۔'' (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٣٦٨٣)

ایسے ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں جوتے دے کر بھیجا اور فرمایا کہ جو بھی تمھیں لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینے والا ملے اور وہ مضبوط ایمان والا ہو اس کو جنت کی خوش خبری سنا دو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری ملاقات سب سے پہلے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوگئی اور میں نے نبی کریم ﷺ کی کہی ہوئی بات بتلا دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے میری بات سن کر زور کے ساتھ ایک ہاتھ رسید کر دیا اور میں پشت کے بل زمین پر گر گیا، اور فرمایا: میرے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس چلو۔ میں نبی ﷺ کے پاس روتا ہوا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ابوہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معاملہ بیان کر دیا۔ تھوڑی دیر میں عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا آپ ﷺ نے ایسا کہا ہے؟ جس کی نبی ﷺ نے تصدیق کی۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٤٧)

سلمہ بن وردان فرماتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تو میں نے پوچھا: آپ رضی اللہ عنہ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آ رہا ہوں۔ میں نے پوچھا آپ ﷺ نے کیا فرمایا: تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((من شهد أن لا إله إلا الله مخلصاً دخل الجنة.))

''جس نے دل کے اخلاص سے لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دی، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے سوال کیا کہ کیا تم نے یہ رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے؟ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ رضی اللہ عنہ خود چل کر دریافت فرمالیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جا کر سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

((صدق معاذ، صدق معاذ.))

(المعجم الكبير للطبراني: ٤٨/٢٠)

''ہاں، معاذ نے سچ کہا، معاذ نے سچ کہا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنت إذا سمعت من رسول الله ﷺ حديثا نفعني الله بما شاء منه۔ وإذا حدثني عنه غيري استحلفته فإذا حلف لي صدقته.))

(سنن أبي داود، رقم الحديث: ۱۵۲۱)

''میں ایسا شخص ہوں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے جو چاہتا فائدہ ضرور عنایت فرماتا۔ دوسرا جب کوئی اور صحابی حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم لیتا تھا اور جب وہ قسم اٹھالیتا تب میں اس کی تصدیق کرتا تھا۔''

ایسا ہی طرز عمل تابعین کے زندگیوں سے ملتا ہے۔ محدثین کرام ایک ایک حدیث کے لیے ہزاروں میل کا سفر طے کرتے اور راوی کے متعلق ہر قسم کی جانچ پڑتال کرتے کہ حدیث بیان کرنے والا کیسے حافظے کا مالک ہے۔ اس کے ضابط، ثقہ اور ایمان دار ہونے کے بارے میں تحقیق کرتے اور دیکھتے کہ راوی میں کوئی ایسا عیب تو نہیں پایا جاتا کہ جس سے حدیث کی صحت متأثر ہوتی ہو۔

ان ہستیوں نے اس دور میں احتیاط کا اس قدر مظاہرہ کیا جو خیر القرون ہے تو موجودہ دور میں اس کی اہمیت وضرورت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ ہر طرف بدعات وخرافات کا دور دور ہے اور جھوٹ، فریب اور دھوکہ بازی عام ہے۔ اگر ہم واقعتاً اپنے دین وایمان کو بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی تحقیق کا وہی اعلیٰ معیار قائم کرنا ہوگا جو صحابہ کے زمانے میں تھا۔

اسلام کا طرۂ امتیاز:

یہ صرف اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ اُس نے آقائے نامدار ﷺ کی زندگی کو محفوظ کرنے کی خاطر لاکھوں لوگوں کی زندگیاں محفوظ کیں اور پھر ان کے اخلاق و عادات کا مکمل تجزیاتی مطالعہ کیا اور روایت کے سلسلے میں ان کا مقام متعین کیا جسے اسماء الرجال کا نام دیا جاتا ہے اور اس فن کی شان یہ ہے کہ غیر مسلم اقوام یہ کہنے پر مجبور ہوگئیں کہ مسلمانوں نے ایک ایسا فن ایجاد کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے دین اسلام کے اندر کوئی نئی بات دین کی شکل دے کر، نبی علیہ السلام سے منسوب کرکے داخل نہیں کی جاسکتی۔ اس فن کی بدولت کسی بھی شخص کو یہ جرأت نہیں کہ شریعت اسلامیہ کی مبارک عمارت میں نقب لگائے۔

جب اس قدر احتیاط اور حفاظت کے ساتھ دین اسلام کی تدوین و ترویج ہوئی اور پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی اصل ہیئت وشکل موجود ہے تو پھر کیا وجہ ہے ہم صرف سنی سنائی باتوں پر انحصار کیے بیٹھے ہیں۔

محترم بھائیو! ہمیں اس دن کے لیے فکر مند رہنا چاہیے جس دن ہمارا سامنا سوال و جواب کرنے والے فرشتوں سے ہوگا۔ جب قرآن وحدیث سے لاعلم شخص، اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان، اللہ اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم سے نابلد "هاء هاء لا أدري" کہتا پھرے گا تو فرشتے اس کے جواب میں کہیں گے:

"ما دريت و لا تليت."

''تُو نے نہ دیکھا نہ پڑھا''

بس لکیر کا فقیر بنا رہا۔ جیسے کوئی کہتا رہا ویسے ہی عمل کرتا رہا۔ تحقیق کرنا گوارا ہی نہ کیا۔ عقیدت کا مارا ہوا یہ انسان اس وقت کیسی سخت پریشانی میں مبتلا ہوگا۔ سوچنے اور اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

لہٰذا کسی بھی مسلمان کے شایان شان نہیں کہ اُسے دین کے معاملے میں کوئی بات کہی جائے اور وہ بغیر کسی تحقیق کے اُسے صرف اس بنیاد پر تسلیم کرلے کہ تحقیق وتفتیش میری ذمہ داری نہیں ہے، میرا کام تو عمل کرنا ہے۔ جب دنیاوی معاملات میں اس قدر حساس ہیں تو شریعت مطہرہ ہی ایسی شے ہے کہ ہم صرف یہ کہہ کر اپنے آپ کو بری سمجھیں اور زندگی بھر غیر شریعت کو شریعت کا نام دیتے ہوئے عمل کرتے رہیں۔ ہمیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ ہماری حالت ایسے باعمل لوگوں کی طرح نہ ہو جائے جو باوجود بے شمار محنت اور کثیر عمل کے جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔ اللہ ہمیں سمجھنے کی توفیق بخشے۔ آمین

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

الاعتصام کا محدث نورپوری نمبر

نابغۂ روزگار شخصیات جب تک زندہ رہتی ہیں تب تک لوگ ان سے اور ان کی عملی زندگی سے راہنمائی کا رشتہ استوار رکھتے ہیں اور ان کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد از سر نو ان کی حیات جاوداں کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس میں اپنے لیے بے پناہ درس وموعظت کا سبق پا لیتے ہیں۔

ایسی فرید الدھر شخصیات میں استاذ العلماء شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان محدث نورپوری رحمہ اللہ القوی کا نام اس اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ علم وعمل کا خوبصورت اور موزوں ترین نمونہ تھے۔ علمی میدان میں آپ رحمہ اللہ سربفلک چوٹیوں سے زیادہ بلند مقام پر فائز تھے اور آپ کی عملی زندگی قرونِ اولیٰ کی بہترین یادگار تھی۔

''الاعتصام'' حافظ صاحب رحمہ اللہ کی جملہ خدمات کے اعتراف اور سوانح پر مبنی ایک خصوصی اشاعت کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ جن لوگوں کے لیے حافظ صاحب رحمہ اللہ صرف ایک نام تھے ان کے لیے حافظ صاحب موصوف کی مکمل علمی وعملی زندگی اس طور سے نکھر کر سامنے آ جائے کہ وہ انھیں سوتی جاگتی دنیا کا ایک ایسا فرد تصور کرنے لگیں جو ہر دم ان کے سامنے اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ موجود ہو۔ اوّلین کوشش اس سلسلے میں ہماری یہ ہوگی کہ اس اشاعت خاص میں تکرار سے گریز رکھا جائے، چنانچہ ہم نے چند عنوانات قائم کیے ہیں، جن پر خامہ فرسائی کے لیے ہم منتخب اہل علم سے رابطہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ اگر مضمون نگاران جنبشِ قلم سے پہلے ''الاعتصام'' کے ساتھ ایک دفعہ رابطہ کر لیں تو ہمیں اس اشاعت خاص کے خاطر خواہ فوائد حاصل ہو جائیں گے اور فاضل مضمون نگاران کی محنت بھی رائیگاں نہیں ہو جائے گی۔ (حماد الحق نعیم)

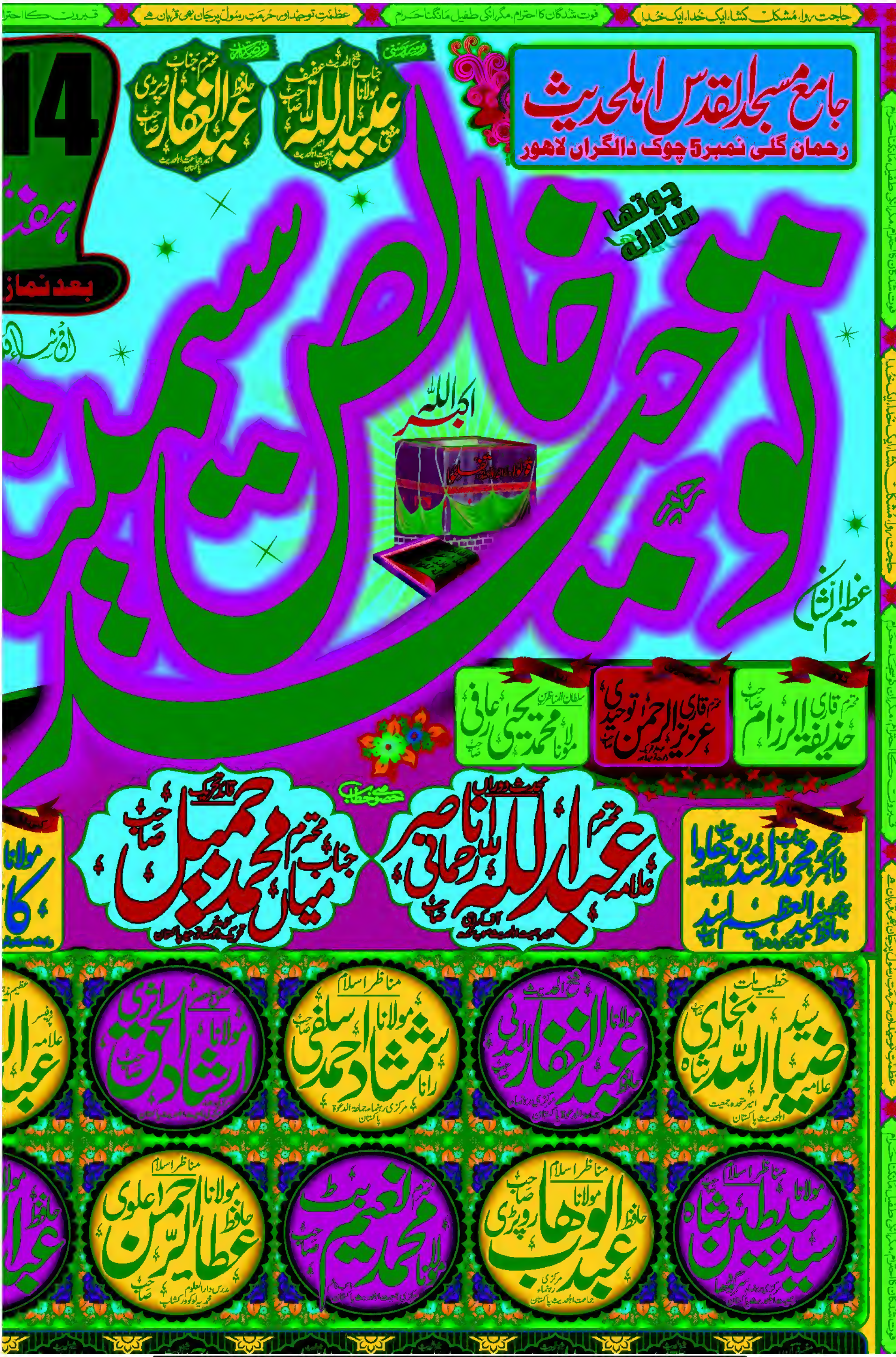
ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال پر کویت کی جماعت اہل حدیث کا گہرے رنج وغم کا اظہار

۱۷ / مارچ بروز ہفتہ اسلام آباد میں عالم اسلام کے مشہور ومعروف سکالر اور مذہبی راہنما جناب ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کو نامعلوم افراد نے ان کے گھر میں گھس کر قتل کر دیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

جیسے ہی یہ افسوسناک واقعہ رونما ہوا تو اس کی اطلاع فوری طور پر کویت کی جماعت اہل حدیث کے ذمہ داران کو بھی مل گئی تھی جس پر انھوں نے گہرے رنج والم کا اظہار کیا اور پاکستان میں مرحوم کے لواحقین سے رابطہ کر کے اس واقعہ کی تفصیلات حاصل کیں۔ اور اگلے دن یعنی ۱۸ / مارچ کی شام کو ایک تعزیتی اجلاس منعقد کرنے اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کویت بھر میں اہل حدیث کارکنان اور دیگر کئی حضرات کو اطلاع دی گئی، چنانچہ مسجد عجمی میں بعد نماز عشاء ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں جماعت اہل حدیث کویت کی شوریٰ کے ارکان وذمہ داران کے علاوہ عام لوگوں نے بھی شرکت کی۔ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق نے مرحوم کی سوانح حیات کا مختصر تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر کی شہادت بہت بڑا سانحہ ہے۔ آپ عالم اسلام کے بہت بڑے سکالر تھے۔ تمام علوم وفنون پر انھیں مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ پاکستان کے اہم تعلیمی اداروں میں گراں قدر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے لاہور میں نیپا کے زیر اہتمام ججز کورس میں تین درجن سے زیادہ لیکچرز دیے۔ ریڈیو اور ٹی وی چینلز کے متعدد پروگراموں میں شرکت کی۔ جرائد واخبارات میں اہم موضوعات پر مضامین تحریر کیے۔ سعودی سفارت خانے کے دعوۃ آفس کے زیر اہتمام پاکستان بھر میں متعدد دعوتی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ کو سعودی عرب، امریکا، انگلینڈ اور انڈونیشیا سمیت کئی بیرونی ممالک میں مختلف موضوعات پر لیکچرز دینے اور بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت کرنے کی دعوت بھی دی گئی، چنانچہ آپ ان ممالک میں تشریف لے گئے اور اپنے علمی لیکچرز کے ذریعے مختلف پروگراموں میں تشنگان علم کی پیاس بجھائی۔

مرحوم کی مختصر خدمات کا تذکرہ کرنے کے بعد مولانا عبدالخالق مدنی نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور جنازے کے بعد ان کی اس افسوسناک شہادت پر مختلف حضرات نے اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔ اور اتنے بڑے سکالر اور مذہبی راہنما کی شہادت پر جس طرح حکومت پاکستان نے بے حسی کا مظاہرہ کیا اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ اس موقع پر کویت کی جماعت اہل حدیث نے مرحوم کے لواحقین اور سوگواران سے اظہار تعزیت بھی کیا اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت بھی کی۔

عارف جاوید محمدی (رئیس مرکز دعوۃ الجالیات۔ کویت) ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد (ناظم اعلیٰ، مرکز دعوۃ الجالیات۔ کویت)


حاجت روا، مشکل کشا، ایک خدا، ایک خدا
فوت شدگان کا احترام، مگر ان کی طفیل مانگنا حرام
عظمت توحید اور حرمت رسول پر جان بھی قربان ہے
جامع مسجد القدس اہلحدیث
رحمان گلی نمبر 5 چوک دالگران لاہور
مفتی عبید اللہ عفیف
حافظ عبد الغفار روپڑی
14
بعد نماز
چوتھا سالانہ
اللہ اکبر
عظیم الشان
قاری حذیفہ الرزام صاحب
قاری عزیز الرحمن توحیدی
مولانا محمد یحییٰ عارف
علامہ عبد اللہ ناصر رحمانی
جناب میاں محمد جمیل صاحب
ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا
حافظ عبد العظیم اسد
علامہ سید ضیاء اللہ شاہ بخاری
حافظ عبد الغفار المدنی
رانا شمشاد احمد سلفی
مولانا ارشاد الحق اثری
مولانا سید سبطین شاہ
حافظ عبد الوہاب روپڑی
مولانا محمد نعیم بٹ
حافظ عطاء الرحمن علوی